دسمبر ۱۹۷۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

و لقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القران)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲۱	دسمبر ۱۹۷۴ء	شمارہ ۱۲

فہرست مضامین

● تذکرہ تبصرہ — — — ڈاکٹر اسرار احمد ۱

● سیرت صدیقی رض (۳) — — — " ۱۲

● جماعت اسلامی کے وکیل اور سرپرست یا نادان دوست ؟ شیخ جمیل الرحمان ۱۷

● لاحول ولاقوۃ الا باللہ ، کے معنی اور فضائل — پروفیسر محمد حسین لٹ ۴۵

★ مدیر مسؤل ★

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم بی-بی ایس (پنجاب) - ایم اے اسلامیات (کراچی)

★ مدیر معاون ★

مختار حسین فاروقی

بی-ایس-سی (انجنیرنگ)

★ یکے از مطبوعات ★

مرکزی انجمن خدام القران لاہور

۱۲ - افغانی روڈ - سمن اباد - لاہور (فون : ۶۸۲۳۵)

چندہ سالانہ -/۱۰

قیمت فی پرچہ -/۱

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ — اور — **غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی**

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اسرار احمد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

پی آئی اے کی حج کی پروازوں کے پروگرام میں قدرے تاخیر کے طفیل ہمیں 'میثاق' کے قارئین سے اس اشاعت کے ذریعے بھی ہمکلام ہونے کا موقع مل گیا۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ "برآور ہر چہ اندر سینہ داری!" کے مصداق ہم اپنا ذہن پچھلی اشاعت میں پوری طرح کھول کر سامنے رکھ چکے ہیں اور ہمارے پاس اس میں اضافے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ گویا سطور ذیل کو گزشتہ شمارے کے 'تذکرہ و تبصرہ' ہی کا 'پس نوشت' (POST SCRIPT) سمجھنا چاہیئے۔

بعض لوگوں کو ہمارے بارے میں یہ خواہ مخواہ کا سوءِ ظن لاحق ہو گیا ہے کہ ہمیں جماعت اسلامی یا مولانا مودودی کی ذات سے کوئی عداوت یا دشمنی ہے۔ حالانکہ خدا گواہ ہے کہ ہمیں نہ جماعت اسلامی سے کوئی عداوت ہے نہ مولانا مودودی سے کوئی ذاتی رنجش یا دشمنی۔

جماعت اسلامی سے ہمارا اختلاف صرف طریق کار اور پالیسی کا ہے اور 'طریق کار' کے بارے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ یہ ایک خالص 'اجتہادی' مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی وسیع گنجائش موجود ہے اور اگرچہ ہم پورے وثوق کے ساتھ یہ رائے رکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے قبل از تقسیم ہند اور بعد از تقسیم طریق کار میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک جماعت کی بعد از تقسیم پالیسی بھی نہ کفر ہے نہ شرک! ہمارے نزدیک تو، جیسا کہ ہم گزشتہ اشاعت میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں، اسلام کے احیاء اور ملت کی تجدید کا عمل نہایت وسیع الاطراف ہے اور اس میں قومی تحریکوں کا بھی ایک مقام ہے اور علماء کی مساعی کا بھی، علامہ اقبال مرحوم کی شخصیت بھی ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی بھی، تبلیغی جماعت کا بھی ایک اہم حصہ ہے اور

جماعت اسلامی کا بھی! چنانچہ ہم نے جب ۱۹۶۶ء میں اپنی تالیف "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" شائع کی تو اس کے دیباچے میں بھی واضح طور پر عرض کر دیا تھا کہ:

"میرے نزدیک نہ مختلف مسلمان ملکوں کو جغرافیائی و وطنی وحدت مان کر ان کے بقاء و استحکام کی سعی و جہد کفر ہے اور نہ ہی مسلمان قوم کو ایک وحدتِ ملی مان کر اس کی فلاح و بہبود کی کوشش دائرہ اسلام سے خارج۔ لیکن تمام مقاصد میں سب سے اعلیٰ مقصد اور تمام کوششوں میں سب سے برتر کوشش اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد اور شہادتِ حق علی الناس کی کوشش ہے۔ یہ بات جس طرح آج سے پہلے صحیح تھی اسی طرح آج بھی حق ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی غرض تاسیس ہی یہ ہے کہ " كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[1] اور وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[2] اور آج جبکہ یہ اُمت بحیثیت مجموعی اپنے اس اصل فرض منصبی کو نہ صرف یہ کہ ادا نہیں کر رہی بلکہ غالباً اس کے بالکل برعکس کوششوں میں مصروف ہے۔ اس اُمت میں سے صحیح راہ پر وہی ہیں جو کم از کم وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[3] کے مصداق بن جائیں۔

میرے نزدیک اگر آج سے پچیس سال قبل مسلمانانِ ہند تقریباً مجتمع ہو کر اپنے قومی و ملی تشخص کے تحفظ اور غیر مسلم اقوام کے معاشی و تہذیبی تسلط سے بچاؤ کی فکر کر رہے تھے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان کی جد و جہد میں مصروف تھے تو نہ وہ کفر تھا اور نہ ہی آج اگر جماعت اسلامی نظریہ پاکستان کی سب سے بڑی علمبردار بن کر تحریک مسلم لیگ کی وراثت حاصل کرنے کی سعی کر رہی ہے تو یہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئی ہے ——— لیکن افسوس

---

[1] سورہ آل عمران رکوع ۱۲: تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر"

[2] سورہ بقرہ رکوع ۱۷: " اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا"

[3] سورہ آل عمران رکوع ۱۱: " اور چاہیئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو" (ترجمہ شیخ الہند)

اس بات کا ہے کہ جب کہ قومی وملی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے والے نہ پہلے کم تھے نہ آج مفقود ہیں وہاں اس جگہ کو پُر کرنے والا کوئی نہیں رہا جو جماعت اسلامی نے اپنے انتقالِ موقف سے خالی کی ہے۔"

البتہ اپنے اس موقف پر ہم پورے وثوق کے ساتھ قائم ہیں کہ جماعت اسلامی کے اساسی نظریات اور اس کے موجودہ طریقِ کار میں بُعدُالمشرقین پایا جاتا ہے اور یہی وہ واحد نکتہ ہے جس کی وضاحت کے لئے ہم نے وہ طویل بیان تحریر کیا تھا جو اب متذکرہ بالا تالیف کے نام سے شائع شدہ موجود ہے!

ہمارے اس بیان یا ہماری اس تالیف کا جس شخص نے بھی مطالعہ کیا ہے عام اس سے کہ وہ جماعت کے اندر کا آدمی ہو یا باہر کا' وہ یہ مانے بغیر نہ رہ سکا کہ واقعۃً جماعت اسلامی کے قبل از تقسیم اور بعد از تقسیم طریقِ کار میں تضاد و تباین کے سوا کوئی نسبت موجود نہیں۔ اس کے بعد ایک عظیم اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے تسلیم کیا کہ اگر جماعت اپنے طریقِ کار میں تبدیلی نہ کرتی تو آج "تجدید و احیاءِ دین" کی سعی و جہد کے بہت سے مراحل طے ہو چکے ہوتے اور "ہنوز روزِ اوّل" کی صورت ہرگز نہ ہوتی۔ البتہ ایک اقل القلیل تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکلی جنہوں نے کہا کہ جماعت کا موجودہ طریقِ کار صحیح ہے پہلا غلط تھا![1]

دوسرے دلائل و شواہد سے قطع نظر خود مولانا مودودی نے ستمبر ۴۸ء ہی میں اس فرق کو تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ اس ماہ کے 'ترجمان' میں 'رسائل و مسائل' کے تحت مولانا نے فرمایا تھا کہ "واضح طور پر

---

[1] مثلاً ۶۲ء میں حج کے موقع پر جب جماعت اسلامی ہند کے ایک اہم رکن اور بمبئی کی جماعت کے امیر سے ملاقات ہوئی اور ان سے اس موضوع پر مفصل گفتگو ہوئی تو آخر میں وہ جھنجھلا کر بولے کہ "ہمارے نزدیک جو کچھ مودودی صاحب اب کر رہے ہیں وہ درست ہے اور ان کا تقسیم ہند کے قبل کا موقف غلط تھا! تو راقم نے بحث کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ مسئلہ زیرِ بحث کے نصف حصے پر ہمارا اتفاقِ رائے ہو گیا ہے، بقیہ نصف پہ بحث پھر کریں گے!" —— اسی طرح ۵۸ء میں جب مولانا ظفر احمد انصاری صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بزرگانہ شفقت کے ساتھ راقم کو 'سمجھانا' چاہا تو اپنی گفتگو کا آغاز اس جملے سے کیا کہ "جہاں تک مولانا مودودی کے قبل از تقسیم ہند کے نظریات کا تعلق ہے مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"! اس پر میں نے عرض کیا کہ "میرے اور آپ کے مابین گفتگو کی کوئی مثبت اساس ہی موجود نہیں اس لئے کہ میری ساری دلچسپی مودودی صاحب کے ان ہی نظریات سے ہے!"

سمجھ لیجئے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام صرف دو طریقوں سے ممکن ہے" اور کہ "ہم اس وقت پہلے طریقے کو آزما رہے ہیں !" اس میں اگر صرف اس بات کا اضافہ کر لیا جائے کہ اپنی اس تحریر میں مولانا نے جس طریق کار کو صرف "دوسرا راستہ" قرار دے کر چھوڑ دیا تھا تقسیم سے قبل اسی کو "واحد طریق کار" کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور پورے چھ برس اس پر حالات کی سخت ناسازگاری کے علی الرغم استقامت بھی اختیار کئے رکھی تھی تو ہمارے مؤقف کی مکمل ترجمانی ہو جاتی ہے۔

ہمارے اس مؤقف کا ایک دوسرا "داخلی شاہد" وہ واقعہ ہے جو ہمیں حال ہی میں جماعت اسلامی پاکستان کے ایک اہم رکن کی زبانی معلوم ہوا ــــ یعنی یہ کہ بھارت کی جماعت اسلامی بھی باقاعدہ و باضابطہ دو حصوں میں منقسم ہو چکی ہے جن میں سے ایک کا نام ہے "آل انڈیا جماعت اسلامی" اور دوسری کا نام ہے "جماعت اسلامی ہند" ! اگرچہ اس کی تفاصیل ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئی ہیں کہ یہ تقسیم کس بنا پر ہوئی لیکن چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ وہاں بھی پالیسی اور طریق کار کے بارے میں شدید اختلاف موجود تھا لہٰذا اندازہ یہی ہے کہ یہ درحقیقت اسی کا شاخسانہ ہے۔

پاکستان میں بھی بعینہٖ یہی صورت پیش آتی۔ اگر مولانا مودودی کی بھاری شخصیت میدان میں موجود نہ ہوتی چنانچہ ۵۶/۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ میں پالیسی اور طریق کار کے مسئلے پر باقاعدہ دو گروپ وجود میں آ گئے تھے اور بہترین صورت یہی تھی کہ دونوں گروپ خوشدلی کے ساتھ علیحدہ ہو کر اپنے اپنے طریق کار پر عمل پیرا ہو جاتے لیکن مولانا مودودی نے اپنی شخصیت کا پورا وزن ایک پلڑے میں ڈال دیا۔ نتیجۃً دوسرے گروپ کے لوگ ؏

"کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی !"

کے مصداق مایوس اور بد دل ہو کر علیحدہ ہوتے چلے گئے اور ان کی شکستہ خاطری نے انہیں فوری طور پر مجتمع ہو کر کسی مثبت تعمیری کام میں لگ جانے کے قابل بھی نہ چھوڑا !

یہاں یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ پالیسی کے بارے میں اختلافی نقطۂ نظر کے حامل صرف وہی نہیں تھے جو اس وقت جماعت سے علیحدہ ہو گئے بلکہ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو اس ہنگامی صورت حال کے باعث جو اس وقت پیدا ہو گئی تھی کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے تو مختلف مراحل پر علیحدگی اختیار کر لی اور بعض جماعت کے اندر تو رہے لیکن پالیسی اور طریق کار کے بارے میں ذہنی الجھاؤ کے باعث عملاً عضو معطل بن کر رہ گئے ! اور اس طرح خلوص و

اخلاص کا بہت سا سرمایہ اور قوتوں اور صلاحیتوں کا ایک بڑا اثاثہ اس شعر کے مصداق بے کار ہو کر رہ گیا کہ ؎

تری رہبری کا یہ فیض ہے قدم اہلِ شوق کے رُک گئے
نہ کوئی جوازِ سفر ملا نہ کوئی دلیلِ قیام ہے !!

۱۹۶۷ء میں "تنظیم اسلامی" کے قیام کی سعی درحقیقت اسی غرض سے تھی کہ خلوص و اخلاص کے اس سرمائے اور قوتوں اور صلاحیتوں کے اس اثاثے کو کسی مثبت تعمیری جد وجہد میں لگایا جائے، یہی وجہ ہے کہ اس کے داعیوں میں سے تین حضرات وہ تھے جو ۱۹۵۷ء میں جماعت سے علیحدہ ہوئے تھے اور جماعت کے اندر انہیں جو مقام حاصل تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تینوں مولانا مودودی کی اسارت و نظربندی کے مختلف مواقع پر جماعت اسلامی پاکستان کی امارت کے منصب پر فائز رہے تھے، یعنی مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن اور شیخ سلطان احمد صاحب —— اور تین وہ تھے جو بعد میں مختلف مراحل پر علیحدہ ہوتے یعنی مولانا عبدالحق جامعی، سردار محمد اجمل خاں لغاری اور ڈاکٹر محمد نذیر مسلم —— اور "سات میں کا ساتواں" تھا ان سطور کا راقم جو اگرچہ علیحدہ تو ۱۹۵۷ء ہی میں ہو گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ علم اور تجربے دونوں کے اعتبار سے وہ نہ ۱۹۵۷ء میں کسی شمار قطار میں تھا اور نہ ۱۹۶۷ء میں!

لیکن افسوس کہ یہ کوشش بھی کچھ خارجی مخالفت اور زیادہ تر اندرونی سبوتاژ کا شکار ہو گئی۔ اور اپنے پیچھے مایوسی اور دل شکستگی کے گہرے سائے چھوڑ گئی۔ چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحی نے یہ طے کر لیا کہ باقی تمام مہلتِ عمر اور کُل قوت و صلاحیت تفسیر تدبّر قرآن کی تحریر و تسوید کے لئے وقف کر دیں گے۔ مولانا عبدالغفار حسن نے مستقل ڈیرہ حجاز مقدس میں لگا لیا کہ ایک خالص دینی اور علمی شغل پر مستزاد سعادتِ مجاورت حرمین شریفین تو میسّر ہے، وقس علیٰ ہذا۔

نتیجتہً اب پورے سات برس بعد "سات میں کے ساتویں" کو ہمت کرنی پڑی ہے کہ وہ کھڑا ہو اور اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرے جو تقسیم ہند کے موقع پر جماعت اسلامی کے انتقال موقف کے باعث پیدا ہوا تھا اور تاحال پُر نہیں کیا جا سکا۔

اس موقع پر اوّلین گزارش تو ہمیں ان حضرات سے کرنی ہے جو ۱۹۶۷ء میں "تنظیم اسلامی" کے قیام کی سعی میں بحیثیت داعی شریک تھے اور وہ یہ کہ یہ درحقیقت آپ ہی کا کام ہے جسے راقم الحروف لے کر کھڑا ہوا ہے وہ اپنے بارے میں ہرگز کسی کبر یا عجب میں مبتلا نہیں اور اب بھی وہ اپنے آپ کو "سات

ہیں کا ساتواں " اور آپ سب حضرات کو اپنا بڑا اور بزرگ ہی سمجھتا ہے۔ سامنے وہ اس لئے آ گیا کہ اس کے سوا اسے اُسے کوئی اور چارۂ کار نظر نہیں آیا۔ اس کا یہ مقام تو ہرگز نہیں کہ وہ آپ حضرات سے کہے کہ "آؤ اور میرا ساتھ دو!" خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس کے بعض خیالات سے آپ حضرات متفق بھی نہیں ہیں! البتہ دو باتوں کا متمنی وہ ضرور ہے۔ ایک یہ کہ آپ حضرات اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام میں اس کی رہنمائی بھی فرماتے اور تائید بھی اور دوسرے یہ کہ اسے کم از کم اپنے مخلصانہ مشوروں سے ضرور نوازتے رہیں ——— وہ آپ کے مشوروں کا تو محتاج ہے ہی تنقید کا بھی خیر مقدم کرے گا! اس سے بڑھ کر اگر آپ "دامے، درمے، سخنے" اس کی مدد بھی فرمائیں تو یہ آپ کا حد درجہ ایثار ہوگا جس کا اجر آپ اپنے رب سے پائیں گے، رہا وہ تو اس کا حال تو "رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ" کا کامل مصداق ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر اعتبار سے تہی دست و محتاج سمجھتا ہے!!

یہاں قارئین 'میثاق' کی اطلاع کے لئے یہ عرض کر دینا غالباً نامناسب نہ ہوگا کہ راقم نے چند ہی دن قبل مولانا امین احسن اصلاحی کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی دو درخواستیں پیش کیں تو انہوں نے کمال شفقت سے ان دونوں کو قبول فرمالیا اور فرمایا کہ "تم نے ایک بہت بڑی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے اندر اس کی ہمت نہ تھی لیکن اب جبکہ تم نے بوجھ اٹھا ہی لیا ہے تو میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ تم اس میں ناکام ہو بلکہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں کامیاب کرے۔" ہمیں اپنے دوسرے بزرگوں سے بھی اسی کی توقع ہے اور انشاء اللہ العزیز ہمیں اس معاملے میں مایوسی کا سامنا نہیں کرنا ہوگا!

ثانیاً ان تمام حضرات سے جو مختلف اوقات میں پالیسی اور طریق کار کے اختلاف کے باعث جماعت سے علیحدہ ہوتے ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ مایوسی اور دل شکستگی سے دامن چھڑائیں اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو مجتمع (POOL UP) کر کے اسی طرز پر سعی و جہد میں لگ جائیں جسے وہ صحیح سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں راقم اپنی ان ہی گزارشات کے دوہرانے کو کافی سمجھتا ہے جو ۶۷ء میں 'تنظیم اسلامی' کے قیام کے فیصلے کے بعد 'میثاق' کی ستمبر، اکتوبر ۶۷ء کی اشاعت کے "تذکرہ و تبصرہ" کے صفحات میں پیش کی گئی تھیں :-

"اجتماع رحیم یار خاں کے دوران بہت سے پرانے رفقاء سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا تو راقم الحروف کے اس خیال کو مزید تقویت حاصل ہوئی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے

والے لوگوں میں سے ایسے حضرات کو چھوڑ کر جو اپنی کسی ذاتی مجبوری کی بنا پر علیحدہ ہوئے یا کسی دینی و اخلاقی کمزوری کے سبب سے علیحدہ کر دیئے گئے، پالیسی اور طریق کار سے اختلاف کی بنا پر جتنے لوگ جماعت سے علیحدہ ہوئے چاہے وہ حال ہی میں علیحدہ ہوئے ہوں، چاہے آج سے دس سال قبل اور چاہے اس سے بھی پہلے، ان سب کا طرز فکر تقریباً یکساں اور سوچنے کا انداز بہت حد تک مشابہ ہے۔ ان کے نقطہ نظر میں تھوڑا بہت فرق اگر ہے بھی تو صرف اس اعتبار سے کہ کسی کے نزدیک اختلاف کا کوئی ایک پہلو اہم تر ہے اور کسی کے نزدیک کوئی دوسرا، یا آخری تجزیے میں کسی کے خیال میں اصل غلطی کوئی سی ہے اور کسی کے خیال میں غلطی کا اصل سبب کوئی دوسرا ہے —— پھر کچھ اسی بنا پر اور کچھ ذاتی رجحانات اور ذوق کے فرق کی بنا پر کسی کے صبر کا پیمانہ کسی مرحلے پر لبریز ہوا اور کسی نے کسی دوسرے مرحلے پر طے کیا کہ اب مزید ساتھ چلنا ممکن نہیں۔ چنانچہ مختلف اوقات میں علیحدگی کے وقت علیحدگی کے جو اسباب بیان ہوئے وہ بھی لازماً ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف تھے —— بایں ہمہ تھوڑے سے تبادلہ خیال اور باہمی گفتگو سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فی الواقع سب کا طرز فکر اور نقطۂ نظر تقریباً یکساں ہے اور مختلف کڑیوں کے جوڑنے سے جو مکمل نقشہ بنتا ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے —— !!

بدقسمتی سے ماضی میں جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگوں کے مابین نقطہ نظر کے اس باریک فرق پر جو مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر پیدا ہوا تھا کچھ تو رفقاء خود بھی زیادہ زور دیتے رہے اور کچھ 'باہر کے لوگوں' نے اسے زیادہ ہی شہرت دے دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ 'تل' کا پہاڑ بن گیا ؂

کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار   اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں !

چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ جماعت سے علیحدہ ہونے والوں میں سے کوئی دو افراد بھی باہم متفق نہیں ہیں —— کبھی یہ پھبتی چسپت کی گئی کہ ان میں سے ہر شخص لیڈر ہے !" —— اور کبھی اپنے معتقدین کو یہ دلاسا دیا گیا کہ "آپ مطمئن رہیں 'خوارج' کبھی جمع نہیں ہوسکتے !" اور ان باتوں کا واقعتہً کچھ ایسا نفسیاتی اثر پڑا کہ خود علیحدہ ہونے والے لوگوں میں سے بعض اس بات سے مایوس ہوتے چلے گئے کہ وہ دین کی کسی چھوٹی یا بڑی خدمت کے لئے جمع ہوسکتے ہیں!

اوّلی تو جو لوگ جماعت اسلامی میں شامل ہوتے تھے وہ سیاست بازی کے کسی کھیل کے

لئے جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ جماعت میں ان کی شمولیت ایک خالص دینی مقصد کے تحت اور اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے تھی لہٰذا جب ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ان کے لئے جماعت میں شامل رہنا ممکن نہ رہا تو یہ حادثہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عمر عزیز کے دس دس پندرہ پندرہ بلکہ سترہ سترہ سال اس کی نذر کئے تھے کوئی معمولی حادثہ نہ تھا، ان پر صدمے کی کیفیت کا طاری ہونا بالکل فطری تھا ـــــ پھر جماعت کے مخصوص تنظیمی ڈھانچے کی بنا پر ان میں سے ہر ایک نے ہر مرحلے پر اپنا لائحہ عمل خالصتاً اپنی ذاتی صوابدید پر طے کیا، چنانچہ کوئی کسی مرحلے پر کارواں سے ٹوٹا اور کوئی کسی مرحلے پر بدگماں ہوا اور مختلف لوگ مختلف اوقات میں جماعت سے علیحدہ ہوئے ـــــ بنا بریں ان کا فوری طور پر کسی نئے نظم میں منسلک ہونا خارج از امکان تھا۔ بعد میں جوں جوں وقت گزرا روابط قائم ہوئے اور افہام و تفہیم کے مواقع نہ رہے تو نقطۂ نظر کا وہ باریک سا فرق جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا ہر شخص کی سوچ اپنے ہی زاویے پر آگے بڑھتی گئی اور بعض اوقات بالکل متضاد باتیں بھی سنائی دینے لگیں ـــ چنانچہ شماتتِ ہمسایہ کے لئے بنیاد فراہم ہو گئی ـــــ اور وہ سب کچھ کہا گیا جس کا تذکرہ اُوپر کیا جا چکا ہے !

اس داستان کو دوہرانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بعض رفقاء کے ذہنوں پر جماعت سے علیحدہ ہونے والوں کے باہمی اختلافات کے چرچے کا خاصہ اثر ہے اور اس امر کی واقعی ضرورت ہے کہ ملاقاتوں اور گفتگوؤں کے ذریعے ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے ہی روابط استوار ہوتے ہیں، باہم افہام و تفہیم کا موقع ملتا ہے۔ اور ما بہ الاختلاف مسائل کے ساتھ ساتھ ان وسیع تر اور اہم تر امور پر نظر کی جاتی ہے جن میں کامل اتفاق رائے پایا جاتا ہے اور جن کی بنا پر سب لوگ دس دس، پندرہ پندرہ اور بعض حالات میں سترہ سترہ سال ایک ہی اجتماعیت میں فعال کارکنوں کی حیثیت سے شریک رہے تھے تو اختلاف، نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے، اور وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

جتنی بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کو انفرادی طور پر جوابدہی کرنی ہے " (وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا٥) اتنی ہی بڑی حقیقت یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں انسان منفرد نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ایک اجتماعیت کے جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا

اجتماعیت اس کی فطرت کا ایک بنیادی تقاضا ہے ـــــ خصوصاً اس دور میں جبکہ 'اجتماعیت' اپنی منطقی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور باطل پوری طرح منظم اور مجتمع ہے۔ حق اور اہل حق کے لئے اجتماعیت سے گریز کسی طرح بھی مناسب نہیں ـــــ بنا بریں ہم اپنے تمام رفقاء اور بزرگوں کی خدمت میں یہ گزارش کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ وقت کے فرض کو پہچانیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو مجتمع کر کے حق کے اظہار اور اس کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کے لئے اگر اپنے ذاتی رجحانات اور انفرادی ذوق بلکہ ذاتی خیالات و نظریات تک میں کسر و انکسار کا کسی قدر ایثار کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں ـــــ اللہ تعالیٰ اس پر انہیں یقیناً اجر دے گا۔ ویسے ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ جانتے ہیں کہ اس کی ضرورت بھی محض ابتدا ہی میں ہوگی ـــــ اور جیسا کہ عرض کیا گیا روابط کے از سر نو استوار ہوتے ہی اختلاف کا سارا افسوں ٹوٹ کر رہ جائے گا! ـــــ"

آخر میں جماعت اسلامی کے احباب کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ وہ ہمیں اپنا 'دشمن' نہ سمجھیں اور مولانا مودودی کی خدمت میں بھی التماس ہے کہ وہ ہمارے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ 'اختلاف' کو اس کی حقیقی اور واقعی نوعیت تک محدود رکھیں[1]۔ اس ضمن میں بھی ہم اب کچھ مزید کہنے کی بجائے 'میثاق' کے محولہ بالا شمارے ہی سے ایک اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں:

" اس موقع پر بالکل ذاتی حیثیت میں ایک گزارش راقم الحروف جماعت اسلامی کے بزرگوں خصوصاً مولانا مودودی کی خدمت میں کرنا چاہتا ہے ـــــ گزشتہ ڈیڑھ دو سال کے دوران

---

[1] راقم کو بہت دکھ ہوا یہ معلوم کر کے کہ جماعت کے حلقوں میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ راقم دراصل حکومت پاکستان کے سرکاری حج وفد کے ساتھ حج کے لئے کیا جا رہا ہے۔ پہلے جب ایک صاحب نے اس کا ذکر کیا تو راقم نے اسے مذاق سمجھا اور قطعاً اہمیت نہ دی۔ لیکن گزشتہ اتوار کو درس قرآن کے بعد مسجد شہداء میں دو حضرات نے فرمایا کہ یہ بات علماء کرام کی ایک مجلس میں کہی گئی جہاں مولانا مودودی بھی موجود تھے تو بادل ہی کرنا پڑا کہ کسی کو واقعۃً کوئی مغالطہ لگا ہے لیکن ساتھ ہی سخت صدمہ ہوا کہ اگر ہمارے علمائے کرام بھی اس درجہ غیر محتاط ہیں تو دوسروں سے کیا توقع کی جائے! ع

"چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!"

راقم الحروف کے بعض اقدامات اور اس کی بعض تقریروں سے یقیناً آپ کو شدید تکلیف پہنچی ہوگی لیکن خدا شاہد ہے کہ دل کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی ان میں سے کسی اقدام یا تحریر سے آپ کی دلآزاری ہرگز مقصود نہ تھی۔ راقم الحروف کے دل میں اظہار دین حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ آپ ہی کی تحریروں سے پیدا ہوا ـــــ اسی جذبے سے سرشار ہو کر طالب علمی کے قیمتی اوقات اور عمر عزیز کے بہترین لمحات آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر جد و جہد کی نذر کئے ـــــ پھر جب محسوس ہوا کہ آپ غلط رُخ پر چل نکلے ہیں تو ایک بیان کی صورت میں اپنے خیالات کو قلمبند کیا اور آپ سے درخواست کی کہ: "ابھی تو کوئی ایسی خدمت نہیں ہے جس کا واسطہ دے سکوں۔ آپ ہی کی شفقتیں اور عنایتیں ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے اس بیان کو ضرور پڑھ لیں" ـــــ ماچھی گوٹھ کے بھرے اجتماع میں سٹیج پر اعلان کیا کہ: "اگرچہ مجھے اپنے موقف کی صحت کا یقین ہے اور امیر جماعت کی طویل تقریر میں مجھے کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ تاہم میں جماعت میں شامل رہوں گا اس لئے کہ اس کے بغیر میں اپنے وجود کا تصور بھی نہیں کر سکتا!" لیکن پھر جب کچھ آپ کی عنایتوں میں مزید اضافہ ہوا اور آپ نے اہل اختلاف پر ضعف ارادہ بسیط اور ضعفِ ارادہ مرکب کی پھبتیاں چُست کرنی شروع کیں اور کچھ یہ محسوس ہوا کہ جماعت میں ایک عضوِ معطل کی حیثیت سے رہنا آخر چہ سُود؟ تو یہ کہتے ہوئے ایک بھاری دل کے ساتھ جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی کہ: "میں جانتا ہوں کہ جماعت کے بہت سے بزرگ مجھ سے بزرگانہ شفقت کا اور کتنے ہی ارکان ونفق مجھ سے حقیقی محبت کا تعلق رکھتے ہیں جب میں سوچتا ہوں کہ آج اپنے اس اقدام سے میں نہ معلوم کتنوں کے جذبات کو مجروح کروں گا تو اپنے آپ میں ایک ندامت کا احساس بھی ہوتا ہے لیکن اس سب کے باوجود اس اقدام پر مجبوراً اس لئے آمادہ ہو گیا ہوں کہ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا ـــ!" علیحدہ ہونے کے بعد بھی کم و بیش پانچ سال تک شدید اختلاف کے باوجود آپ کے ساتھ وہی قلبی تعلق قائم رہا جو ایک احسان مند کا اپنے محسن سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں حج کے لئے روانہ ہونے سے قبل آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس قلبی کیفیت کا اظہار بھی کیا تھا ـــــ افسوس کہ اس کے فوراً بعد آپ کے دو اقدامات یعنی ایک[۱] غلاف کعبہ کے سوانگ اور دوسرے[۲] سہروردی مرحوم سے ربط و تعلق کی بدولت دل کی یہ کیفیت برقرار نہ رہ سکی اور ذہنی دوری کے ساتھ ساتھ ایک ایسا قلبی بُعد بھی قائم ہو گیا جس میں رنج کے ساتھ غصے کی بھی آمیزش تھی۔ اب خلافت و ملوکیت لکھ کر عمر کے آخری حصے میں جو کمائی آپ نے کی ہے اس کی وجہ سے غصے کی جگہ حسرت نے لے لی ہے۔ حقیقت یہ

ہے کہ اب آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے دل کانپنے لگتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے یہ دعا نکلنے لگتی ہے کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ! بایں ہمہ اب جبکہ ہم، آپ کے کچھ قدیم ساتھی، رفیق اور نیاز مند دین کی چھوٹی بڑی خدمت کے ارادے سے جمع ہو رہے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے خیال کے مطابق ہم آپ ہی کے ترک کردہ مشن کی تکمیل کے لئے اٹھ رہے ہیں۔ اس شیرازہ بندی سے مقصود ہرگز آپ کی مخالفت نہیں ہے اگرچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ" کی رُو سے آپ کی جن باتوں کو ہم غلط سمجھتے ہیں اُن پر لامحالہ ہمیں تنقید کرنی ہوگی، تاہم اس سے مقصود سوائے اصلاح کے اور کچھ نہ ہوگا ——— آپ کی ذات سے ہمیں نہ عناد ہے نہ بُغض، بلکہ ہم پروردگار سے آپ کی ہدایت اور مغفرت کی دعا ہی کرتے رہیں گے کہ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ "

جماعت اسلامی جب عملی سیاست کے میدان میں آئی اور اس کی تنظیم نے کچھ وسعت اختیار کی تو ایک طبقہ اس کے 'متوسلین' کا بھی پیدا ہو گیا اور اس میں سے بعض لوگوں نے اس کے 'وکیل' اور 'سرپرست' کی حیثیت اختیار کر لی۔ ایسے ہی 'بزرگوں' میں سے ایک جناب ماہر القادری مدیر 'فاران' کراچی ہیں جنہوں نے ستمبر ۷۴ء کے 'میثاق' پر ایک طویل تنقید اپنے پرچے میں شائع کی ہے۔ ہم نے تو اسے "بیٹھنے میں عیب نہیں رکھتے نہ فرہاد کو نام" کے مصداق قابلِ توجہ نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اسے پڑھتے ہوئے ماہر صاحب پر ترس ہی آیا تھا کہ چونکہ ان کے ضمیر نے ان کے قلم کا ساتھ نہیں دیا لہٰذا اچھے بھلے 'لکھاڑ' ہونے کے باوجود نہایت ہی پھسپھسی تحریر ان کے قلم سے نکلی لیکن بھائی جمیل الرحمٰن صاحب نے اس کا سنجیدگی سے نوٹس لیا ہے اور چونکہ انہوں نے خاصی محنت کے ساتھ ماہر صاحب کی تحریر کا پوسٹ مارٹم کیا ہے لہٰذا ہم ان کا مضمون اس شمارے میں شائع کر رہے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ اس کے بعد انشاء اللہ ہم اس طرح کے مباحث میں 'میثاق' کے صفحات ضائع نہیں کریں گے۔

شیخ جمیل الرحمٰن صاحب جماعت اسلامی کے 'سابقون الاولون' اور اس طرح گویا راقم کے بزرگوں میں سے ہیں اور یہ ان کا کمال ایثار ہے کہ وہ اپنے ایک 'خورد' کے ساتھ انتہائی انہماک اور جان سوزی

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

مطالعہ قرآن

اسرار احمد

سیرت صدیقی رضؓ کے عناصر ترکیبی

سورۃ واللیل کی روشنی میں

حضرات منعم علیہم کے مراتب چہارگانہ کے پس منظر میں مرتبۂ صدیقیت کے تعین کے بعد اب آئیے کہ قرآن حکیم ہی سے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ مقام صدیقی کے خصائص کیا ہیں یا بالفاظ دیگر سیرت صدیقی کے عناصر ترکیبی کون سے ہیں۔ الحمدللہ کہ قرآن حکیم میں یہ موضوع ایک ہی مقام پہ پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوگیا ہے اور آخری پارے کی چھوٹی سورتوں میں سے ایک ہی سورت کا مطالعہ اگر بنظر غائر کر لیا جائے تو اس موضوع کے جملہ پہلو واضح ہو جاتے ہیں —— ہماری مراد سورۃ واللیل سے ہے!

اس سورۂ مبارکہ کے آخری حصے یعنی آیات ۱۷ تا ۲۱ کے بارے میں تو مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی شان میں نازل ہوئیں —— چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ ذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى اِنَّ بَعْضَهُمْ حَكَى الْاِجْمَاعَ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ عَلٰى ذٰلِكَ (ابن کثیر، تفسیر سورۃ واللیل)	متعدد مفسرین کے نزدیک یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے نزدیک تو اس پہ مفسرین کا اجماع ہے!

اس مضمون کی روایات بھی بکثرت موجود ہیں کہ آیات ۵ تا ۷ یعنی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (۵)	تو جس نے دیا اور پرہیزگاری اختیار کی

وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (۶)	اور تصدیق کی اچھی بات کی تو ہم اُس
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (۷)	کو آسانی سے پہنچا دیں گے (آخری اور کامل آسانی ہیں)!

کے مصداق بھی حضرت صدیقِ اکبر ہی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ پوری سورت ہی مقامِ صدّیقی کی وضاحت اور سیرتِ صدّیقی کے عناصرِ ترکیبی کی تفصیل پر مشتمل ہے اور اس میں تصویر کا دوسرا رخ صرف ضمنی طور پر اس قاعدہ کلیہ کے تحت دکھا دیا گیا ہے کہ "تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا" یعنی کسی شے کی معرفت کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اس کے ضد اور مقابل کی معرفت حاصل کر لی جائے ——— گویا یہ سورۂ مبارکہ اصلاً سورۂ صدّیقیت ہے! اکابر مفسّرین میں سے امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ اس حقیقت کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں وہ ارشاد فرماتے ہیں:

سُوْرَةُ وَالَّيْلِ سُوْرَةُ اَبِيْ بَكْرٍ	سورۂ واللیل حضرت ابوبکر کی سورت ہے
وَ سُوْرَةُ وَالضُّحٰى سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ مَا جَعَلَ بَيْنَهُمَا وَاسِطَةً لِيُعْلَمَ اِنَّهٗ لَا وَاسِطَةَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَاَبِيْ بَكْرٍ	اور سورۂ والضحیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے۔ اور (اللہ نے) ان دونوں کے مابین کوئی فصل نہیں رکھا تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی فصل نہیں ہے!
(تفسیر کبیر۔ سورۂ والضحیٰ)	

چہار سورۂ نور و ظلمت

قرآن حکیم کی سورتوں کے بارے میں یہ حقیقت تو خاصی معروف و معلوم ہے کہ اکثر سورتیں دو دو کے جوڑوں کی صورت میں ہیں۔ گویا "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ"[1] کا قاعدۂ کلیّہ قرآن حکیم کی سورتوں کے باب میں بھی جاری و ساری ہے۔ بعض مقامات پر تو یہ حقیقت اتنی روشن و بیّن ہے کہ اندھوں کو بھی نظر آ جائے۔ بعض دوسرے مقامات پر البتہ قدرے خفی و مخفی ہے اور کسی قدر غور کرنے ہی سے واضح ہوتی ہے۔

---

[1] سورۂ ذاریات آیت ۴۹: "اور ہر شے کے ہم نے بنائے جوڑے جوڑے!"

سُوَرِ قرآنی کے بارے میں ایک خفی تر حقیقت جو گہرے غور و فکر سے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ بعض مقامات پر بتیں تین سورتوں کے گروپ ہیں جن میں سے دو دو کی حیثیت تو "زوجین" ہی کی ہے۔ تیسری یا توان دونوں کے ضمیمے کی حیثیت رکھتی ہے یا وہ دونوں مل کر اس کا "تتمہ" بنتی ہیں (سورۂ یونس سے سورۂ نور تک کے گروپ کی تمام سورتوں کی ترتیب اسی طرز پر ہے!) اور بعض دوسرے مقامات پر دو دو متصل جوڑوں نے باہم مل کر نہایت حسین و جمیل 'چہار سوروں' کی صورت اختیار کر لی ہے۔ (قرآن مجید کا آخری پارہ تو ان 'چہار سوروں' سے تقریباً پڑ ہی ہے، طویل سورتوں میں بھی اس کی نہایت درخشاں مثالیں موجود ہیں جیسے مثلاً سورۃ الفرقان سے سورۂ قصص تک اور سورۂ عنکبوت سے سورۂ سجدہ تک!)

آخری پارے کے ان 'چہار سوروں' میں سے ایک نہایت اعلیٰ وارفع اور حد درجہ حسین وجمیل چہار سورہ، سورۂ والشمس، سورۂ واللیل، سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پر مشتمل ہے، جسے چہار سورہ 'نور وظلمت' سے موسوم کیا جا سکتا ہے!

اس 'چہار سورے' کا پہلا جوڑا سورۂ والشمس اور سورۂ واللیل پر مشتمل ہے اور دوسرا سورۂ والضحیٰ اور الم نشرح پر۔ اور یہ حقیقت بادنیٰ تامل نظر آجاتی ہے کہ جبکہ پہلی دونوں سورتیں مطالع اور عمود دونوں کے اعتبار سے مستقل اور مکمل سورتوں کی حیثیت رکھتی ہیں وہاں متوخرالذکر جوڑے کی دوسری سورت پہلی کے ساتھ اس طرح مربوط اور مسلسل ہے کہ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ ایک ہی صورت کے اجزا ہوں (چنانچہ تابعین کرام میں سے حضرت طاؤس اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح کو نماز کی ایک ہی رکعت میں بغیر کسی فصل کے پڑھتے تھے!) گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چہار سورہ مضمون کے اعتبار سے تین اجزا پر منقسم ہے چنانچہ اس کا جزو اوّل سورۂ والشمس پر مشتمل ہے۔ جزو ثانی سورۂ واللیل پر اور جزو ثالث سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پر! حاصل کلام یہ کہ اس 'چہار سورۂ نور وظلمت' میں سورۂ واللیل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے!

ان تینوں اجزاء کے بارے میں ایک حقیقت تو اظہر من الشمس ہے یعنی یہ کہ تینوں کا آغاز قسموں سے ہوتا ہے ان قسموں میں اضداد کے جوڑوں کی شہادت قدرِ مشترک ہے اور ان اضداد میں سے بھی خصوصاً ایک جوڑا یعنی نور و ظلمت تینوں میں مشترک ہے۔

ایک دوسری لطیف تر حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں اجزاء میں مقسم بہ تدریجاً سکڑتا اور سمٹتا چلا

گیا ہے جبکہ مقسم علیہ ایک کلی کے مانند کھلتا و کھلتا اور تدریجاً ترقی کرتا چلا گیا ہے۔

چنانچہ سورۂ والشمس میں چار متضاد جوڑوں کی شہادت پیش کرنے کے بعد جن میں سے تین آفاقی ہیں یعنی شمس و قمر، لیل و نہار اور ارض و سماء اور ایک انفسی ہے یعنی امتیاز فجور و تقویٰ، مقسم علیہ کو صرف دو جملوں میں سمیٹ لیا گیا

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

یعنی کامیاب و کامران ہوگیا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور ناکام و نامراد اور خائب و خاسر رہ گیا وہ جس نے اپنے نفسِ ناطقہ کو اپنے وجودِ حیوانی کے تودۂ خاک میں دبا کر گویا زندہ درگور کر دیا۔

سورۂ واللیل میں شہادت میں صرف دو جوڑے پیش کئے گئے۔ ایک آفاقی یعنی رات اور اس کی ظلمت اور دن اور اس کی روشنی اور دوسرا انفسی یعنی تقسیم نر و مادہ۔ اور مقسم علیہ کو اوّلاً ایک آیت میں بیان کر کے یعنی اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (یقیناً تمہاری سعی و جہد (کے نتائج) بھی مختلف ہیں!) اس کی مفصّل تشریح و توضیح چھ نہایت جامع آیات میں کر دی —— یعنی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ جو گویا شرح و تفسیر ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ کی اور وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ جو گویا تفسیر و تفصیل ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ کی۔

آخری جزو میں مقسم بہ تو مزید سمٹ گیا۔ چنانچہ سورۂ والضحیٰ میں اضداد کے جوڑوں میں سے صرف ایک کی شہادت پیش کی گئی یعنی دن اور اس کی روشنی اور سرگرمی اور رات اور اس کی تاریکی اور سکون، اور سورۂ الم نشرح کا آغاز بغیر کسی تمہیدی قسم کے ہوگیا۔ (اگرچہ اس چہار سورے کے مجموعی مزاج کی مناسبت سے سورت کے درمیان میں ازواج متضادہ میں سے عُسر اور یُسر کا ذکر تکرار کر دیا گیا) لیکن مقسم علیہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا چنانچہ احوالِ نبوّت کے بعض اہم گوشے اور ذاتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعض حد درجہ نازک احساسات زیرِ بحث آئے اور ان کے ضمن میں تسلّی بھی دی گئی دلجوئی بھی کی گئی، ہمّت افزائی بھی فرمائی گئی اور چند ہدایات بھی دی گئیں۔

حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود کہ قرآن مجید کی ان دو سورتوں سے اُمّت کی ایک عظیم اکثریت کو ایک خصوصی قلبی لگاؤ ہے۔ اکثر لوگ ان کے معانی کے باب میں حد درجہ سطحی سے فہم پر قناعت کئے ہوتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین نہایت رفیع و وقیع بھی ہیں اور حد درجہ غامض اور عمیق بھی! تاہم سردست یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے اور مضمون زیرِ بحث کی

مناسبت سے فی الحقیقت یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ اس "چہار سورہ نور و ظلمت" کے پہلے جزو میں ایک مضمون کا آغاز ہوتا ہے، دوسرے میں وہ انسانی کسب کے دائرے کی حد تک مکمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ تیسرے میں اس کے وہ پہلو بیان ہوتے ہیں جو مرتبۂ نبوت سے متعلق ہیں اور نبوت چونکہ خالص "وہبی" ہے لہٰذا انسانی کسب کے دائرے سے باہر ہیں۔

بقیہ : تذکرہ و تبصرہ

کے ساتھ تعاون فرما رہے ہیں ۔ راقم اب تقریباً دو ماہ ملک سے باہر رہے گا۔ اس دوران میں جو حضرات "تنظیم اسلامی" کے سلسلے میں خط و کتابت کرنا چاہیں وہ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب ہی سے پتہ ذیل پر رجوع کریں:

فلیٹ ۲۴، جاپان مینشن ۲، پریڈی اسٹریٹ،
ریگل چوک، صدر، کراچی ۳

جماعت اسلامی

کِن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی ؟
آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے ؟
قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور
اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے ؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی
ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد

ضخامت ۲۳۶ صفحات، سائز بڑا، طباعت آفسٹ، مجلّد مع گرد پوش،
قیمت چار روپے، علاوہ محصول ڈاک،

: ملنے کا پتہ :

مکتبہ : مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

جماعت اسلامی کے وکیل اور سرپرست
یا
نادان دوست؟

جناب ماہر القادری

از قلم : شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کراچی

جناب ماہر القادری مدیر و مالک ماہنامہ فاران کراچی کا اردو کے ان گنتی کے شعراء میں شمار کیا جا سکتا ہے جو شاعر اور ایک محدود اشاعت کے حامل نیم ادبی اور نیم دینی رسالے کے مالک و مدیر ہونے کے باوجود ایک آسودہ اور مرفہ الحال زندگی بسر کر رہے ہیں، ماشاءاللہ کراچی جیسے شہر کے ناظم آباد جیسے اعلیٰ معیار کے علاقہ میں موصوف اپنے ذاتی بنگلے میں رہائش پذیر ہیں۔ یہ نعمتیں شاعروں اور وہ بھی اسلام دوست شاعروں کو شاذ ہی میسر آتی ہیں۔ ورنہ ہمارے ادب کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ عموماً مقصدی اور اسلامی شاعری کو شعار بنانے والے اور اقتدار وقت سے دُور دُور رہنے والے شعرا کرام معاشی حیثیت سے پریشان حال ہی رہے ہیں۔

جناب ماہر القادری جماعت اسلامی کے غالی ہمدرد و متفق اور مولانا مودودی کے مدح سراؤں اور ثنا خوانوں میں سے ہیں۔ ان کی یہ ذہنی تائید و اتفاق کی وابستگی تقسیم ہند سے قبل کی چلی آ رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جس جماعت کو وہ حق پسند، حق پرست اور دین کی سربلندی چاہنے والی جماعت سمجھتے ہیں۔ جس جماعت کے ارکان کی زندگیاں ان کے نزدیک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہیں جو نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج ان تمام فرائض کو خوش اسلوبی اور خوش دلی سے انجام دیتے ہیں جو معروف کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اور منکر پر احتجاج کرتے ہیں۔ جو حرام و ناجائز کمائی کے ذرائع سے بچتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے حلال روزی کماتے ہیں جو راہ حق میں قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے اور مالی نقصان پر عاشقت کرتے ہیں (یہ تمام اوصاف ماہر صاحب کی تحریر ہی سے ماخوذ ہیں) اس جماعت سے جناب ماہر صاحب کا تعلق تا حال زبانی ہمدردی و اتفاق سے آگے نہیں بڑھا ہے اور وہ اُن ہی حضرات کی صف میں کھڑے ہیں جو ساحل کے محفوظ کنارے پر کھڑے دُور ہی دُور سے طوفان کا نظارہ کرتے ہیں اور طوفان سے نبرد آزما سورماؤں کو داد و تحسین سے نوازتے رہتے ہیں۔

ایسے سرپرستوں اور ایسی ہمدردی رکھنے والوں کی عام طور پر یہ روش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ممدوح جماعت کی حمایت میں وابستگان جماعت سے بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ جس طرح ایک وکیل ہر قیمت پر اپنے مؤکل کا دفاع کرنا اپنا فرض عین سمجھتا ہے اور اس دفاع میں حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ بالکل اسی طرح یہ سرپرستان و ہمدردان اپنی ممدوح جماعت کی حمایت و دفاع میں ایک فرض شناس اور پرجوش وکیل کی طرح مصروف عمل ہو جاتے ہیں تاکہ جماعت کے حلقۂ اثر و نفوذ میں ان کی ضرورت و اہمیت کا احساس و شعور زندہ رہے اور ان کی وفاداریاں مسلم ہوں اور جماعت کے لوگ ان کی اس دفاعی جنگ سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ ماہر صاحب ماہ اکتوبر ۱۹۷۸ء کے فاران کے شمارہ میں ایک فرض شناس وکیل کی طرح جماعت اسلامی کے دفاع میں قلم سنبھالتے اور زمانہ حال کے اس مقولہ کے پیش نظر کہ "بہترین دفاع جارحانہ پیش قدمی ہے" (BEST DEFENCE IS OFFENCE) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ماہنامہ 'میثاق' کے ستمبر کے شمارے پر جارحانہ تنقید کرتے نظر آتے ہیں۔

آج کل جس طرح عام لوگ جب اپنے مخاطب سے اپنی بات منوانے کے لئے دلیل سے تہی دست ہونے پر خدا کی قسموں کا سہارا لیتے ہیں بالکل اسی طرح جناب ماہرالقادری کے قبیل کے لوگ جب جماعت اسلامی کی حمایت و دفاع میں قلم اٹھاتے ہیں اور اختلاف رائے رکھنے والوں پر غصہ و عتاب کا اظہار کرتے ہیں تو دلیل کی بجائے اپنی خدا ترسی اور آخرت خوفی کا واسطہ دے کر بات شروع کرتے ہیں نیز اپنے موقف کی تائید میں دلائل و براہین اور شواہد پیش کرنے کے بجائے تابڑ توڑ الزامات لگا کر اختلاف رائے رکھنے والوں کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ماہر صاحب نے بالکل اسی ٹیکنیک کے مطابق فاران کے اکتوبر کے شمارے میں میثاق لاہور کے ستمبر کے اس شمارے کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے جس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس تقریر کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے جو موصوف نے ۱۷ر جولائی ۱۹۷۸ء کو لاہور میں منعقدہ اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ کے اختتامی اجلاس میں کی تھی اور جس میں تین ضمیموں کے طور پر اس درخواست اور استعفیٰ کی نقول شائع ہوئی تھیں جو جماعت اسلامی پاکستان کی رکنیت و استعفیٰ سے متعلق تھیں۔ نیز اُن کی تالیف (شائع شدہ ۱۹۶۶ء) "تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ" کے چند اقتباسات اور اس کتاب پر چند تبصروں اور آراء کے ملخص شائع ہوئے تھے۔

جناب ماہرالقادری کا محولہ مضمون دس صفحات سے زیادہ جگہ پر محیط ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ "تنقید" کے لفظ کا اطلاق جس تحریر پر کیا جاتا ہے اس سے یہ مضمون یکسر خالی ہے البتہ اس پورے مضمون کا محترمی مولانا امین احسن اصلاحی اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خلاف ایک " فردِ قرار دادِ جرم" اور جماعت اسلامی کے حق میں ایک قصیدہ سے موسوم کئے جانا زیادہ صحیح ہوگا۔

اس مضمون میں سب سے زیادہ ظلم جناب مولانا امین احسن اصلاحی کی ذات گرامی پر ڈھایا گیا ہے گو راقم الحروف

کو یقین ہے کہ یہ ظلم انشاء اللہ مولانا موصوف کے لئے باعثِ اجر ہی ثابت ہوگا چونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ ظالم کا ظلم مظلوم کے حق میں حسنات کے طور پر درج ہوتا ہے۔

ماہنامہ میثاق لاہور 'فاران' کے تبادلے کے طور پر پابندی سے ماہرالقادری صاحب کی خدمت میں جاتا ہے اور فاران کے اکتوبر ۱۹۷۱ء کے شمارے کے جناب ماہر صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میثاق کا مطالعہ بھی فرماتے ہیں۔ لہٰذا جناب ماہرالقادری کے علم میں لازماً یہ بات ہونی چاہیئے کہ طویل عرصہ سے مولانا اصلاحی صاحب کا ماہنامہ 'میثاق' سے کسی قسم کا کوئی انتظامی یا ادارتی تعلق باقی نہیں ہے۔ مزید براں یہ کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور سے بھی مولانا موصوف کی کسی قسم کی دستوری یا آئینی وابستگی نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب ہے بلکہ اس امر کا اظہار اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا موصوف کو مرکزی انجمن کے دستور کے بعض مندرجات سے اختلاف رہا ہے جو علیٰ حالہٖ قائم ہے۔ مزید یہ کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریک دعوت رجوع الی القرآن سے بھی ان کا کوئی عملی تعلق اور تعاون نہیں رہا البتہ موصوف اس کام کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں اور ان کی تائید اور دعا اس میں شامل حال رہی ہے۔ علاوہ ازیں ستمبر کے 'میثاق' میں مولانا اصلاحی کا نہ کوئی مضمون یا ان کی کوئی رائے شائع ہوئی ہے اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی — ایک تحقیقی مطالعہ" میں اصلاحی صاحب کا کوئی مضمون، کوئی تقریظ، کوئی رائے شامل ہے۔ ماہنامہ 'میثاق' اور مولانا موصوف کا پورا حلقہ تعارف اس بات سے بھی اچھی طرح واقف ہے کہ کئی سال سے مولانا تمام دوسرے علمی و عملی کاموں سے کنارہ کش ہوکر مغربی پنجاب کے ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین اور قرو کش ہیں اور اپنی تفسیر "تدبّر قرآن" کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ مولانا کا یہ عزم و ارادہ کسی سے مخفی نہیں کہ وہ اپنی بقیہ زندگی اور اپنی صلاحیتیں اور رہی سہی توانائیاں اب اپنے استاذ امام حمید الدین فراہیؒ کے اصول پر قرآن حکیم کی تفسیر کی تکمیل کے لئے وقف کر چکے ہیں۔

عقل حیران ہے کہ ایسے گوشہ نشین خادم دین و قرآن کو جناب ماہرالقادری صاحب نے اپنے غیظ و غضب کا ہدف بلا موقع کیوں بنایا؟ اور کیوں ان کے نوکِ قلم پر مولانا اصلاحی کی ذات گرامی آ گئی؟ اس کا کوئی مقام و محل دُور و نزدیک نظر نہیں آتا۔ اس کی کوئی توجیہہ اس کے سوا سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو مولانا اصلاحی کے نامہ اعمال میں چند نیکیوں کا اضافہ منظور تھا جس کے لئے اس نے یہ سبیل پیدا فرما دی اور ماہر صاحب کی اس تحریر کو اس کا ذریعہ بنا دیا۔

جناب ماہرالقادری صاحب نے مولانا اصلاحی کے دامن پر اپنے قلم سے جو سیاہ چھینٹے پھینکنے کی کوشش کی ہے اس کے متعلق مزید کچھ عرض کرنے کے بجائے یہ کہہ کر اس معاملہ کو خدا کے حوالہ کیا جاتا ہے کہ

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝

اب آئیے ان چند الزامات کا جائزہ لیا جائے جو جناب ماہر نے ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی کا "مخالف" اور "دشمن" قرار دینے کے لئے بڑی مہارت سے ترتیب دیئے ہیں اور اپنے قارئین بالخصوص جماعت اسلامی کے حلقۂ اثر کو ڈاکٹر صاحب کی ذات اور ان کے کام سے بدظن کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ اس ضمن میں پہلے چند اصولی باتیں پیش کرنی ازبس ضروری ہیں ——— پہلی یہ کہ دین و اخلاق، قانون اور عقلِ عام (COMMON SENSE) کا تقاضا یہ ہے کہ الزام کے ساتھ ثبوتِ الزام پیش کرنا، الزام لگانے والے کی لازمی ذمّہ داری ہے ——— لیکن اس پہلو سے ماہر القادری صاحب کے مضمون کا جو بھی سلیم الطبع اور عادلانہ نقطۂ نظر رکھنے والا قاری مطالعہ کرے گا تو وہ راقم الحروف کی اس رائے سے اتفاق کرنے پر خود کو مجبور پائے گا کہ فاضل تنقید نگار نے اس اہم اصول پر غور کرنے کی زحمت بھی نہیں فرمائی بلکہ اس مسلمہ اصول سے کامل گریز کیا ہے۔ دوسری یہ کہ جناب ماہر صاحب اردو زبان کے ایک مسلمہ شاعر اور ادیب ہیں۔ الفاظ کے موقع و محل کے استعمال کے متعلق ان کی رائے کو اہل زبان میں بڑی وقعت حاصل ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ یہ حسنِ ظن رکھنا قطعی جائز و مناسب ہوگا کہ موصوف "اختلافِ رائے" اور "مخالفت" کے معنی و مفہوم اور ان کے فرق کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اکابرین سے لے کر اصاغر تک اور اس کے متفقین و ہمدرداں سے لے کر سرپرستوں تک ہر ایک جماعت اسلامی کی دعوت سے نہیں، اس کی موجودہ پالیسی، موقف اور طریق کار سے اختلاف رکھنے والوں کو جھٹ "مخالفت" کا مقام دے کر دے شروع کر دیتا ہے اور جماعت اسلامی کی تعریف و توصیف اور گن گانے میں لگ جاتا ہے۔ ایسے حضرات نہ تو اختلاف رائے کو خود سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے حلقۂ اثر کو اس اختلاف رائے کو سمجھنے کی مہلت دیتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اختلاف رائے رکھنے والے کی شخصیت کو مجروح کر دیا جائے اور اس کو جماعت اسلامی کا مخالف بلکہ دشمن" قرار دے دیا جائے تاکہ جماعت کے ساتھ وابستگی اور ہمدردی رکھنے والے اختلاف رائے رکھنے والے کے متعلق سوءِ ظن بلکہ تعصب میں مبتلا ہو کر اس کی بات سننے کے لئے اپنے کانوں پر اور اس کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لئے اپنے ذہن و فکر اور عقل و شعور پر قفل چڑھا لیں۔ حالانکہ علمی دیانت اور حق تبلیغ کا تقاضا یہ ہے کہ اختلاف رائے کو اچھی طرح سمجھا جائے، دلائل سنے جائیں، ان پر غور کیا جائے، ان پر تنقید و تعدیل ہو، ---- ---------- پھر معقولیت کے ساتھ اپنے دلائل سے اختلاف رکھنے والے کو مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن ان حضرات کا طرزِ عمل بالکل اس لطیفہ کے روایتی ملّا کے مصداق ہوتا ہے جس نے اپنے گاؤں کے ایک ہندو بنیئے کے کاروبار کو ٹھپ کرنے کے لئے گاؤں بھر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ "اس گاؤں کے مسلمان بھی کتنے بے حس ہیں کہ رام لال بنیئے سے سودا سلف لیتے ہیں حالانکہ رام لال بنیا "وہابی" ہو گیا ہے۔" گاؤں کے سیدھے سادے مسلمانوں کے لئے رام لال کے "ہندو" ہونے میں قباحت نہ

تھی۔ لیکن ان کے نزدیک "وہابی" ہونا کسی کے ملعون ہونے کی آخری اور قطعی سند تھی۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے موجودہ طریق کار سے اختلاف رکھنے والوں کے نقطۂ نظر اور ان کے دلائل اور طرز استدلال سے جماعت کے حلقۂ اثر کو دُور اور نابلد رکھنے کے لئے سب سے کارگر نسخہ یہی ہے کہ ایسے حضرات کو جماعت کا مخالف اور دشمن قرار دے کر ان کی شخصیتوں کو مجروح اور بدنام کیا جائے۔ جماعت کی مخالفت اور دشمنی کا لیبل ایسا لیبل ہے کہ جس پر یہ چسپاں ہو جائے اس کی بات سننے اور سمجھنے کے لئے جماعت کے مویدین مشکل ہی سے تیار ہوتے ہیں ۔۔۔ اختلاف رائے رکھنے والوں کو جماعت کا مخالف اور دشمن قرار دینے کے ساتھ اب ایک نئے حربہ کے طور پر یہ وسوسہ اندازی بھی شروع کر دی گئی ہے کہ ان کو اقتدار وقت کا ایجنٹ بھی قرار دیا جائے اور یہ گویا کسی کے "وہابی" ہونے کی دلیل قاطع ہے!! چنانچہ جناب ماہر القادری کا زیر گفتگو مضمون "پھر وہی مشق ستمگاری ہے" شائع شدہ فاران شمارہ اکتوبر ان ہی ہتھیاروں سے لیس ہے جیسا کہ آگے ماہر صاحب کی "فرد قرار داد جرم" اور اس کے تعاقب و تجزیہ سے قارئین کے سامنے آئے گا۔[1]

اب جناب ماہر صاحب کی "فرد قرار داد الزامات" ملاحظہ فرمائیے:

الزام ۱: "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا ہے، جماعت اسلامی کے بارے میں ان کی روش اختلاف کی حد سے گزر کر عداوت و عناد تک پہنچ گئی ہے۔ جماعت اسلامی کی رد میں ایک کتاب لکھی (مراد ہے ڈاکٹر صاحب کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی۔ ایک تحقیقی مطالعہ") جس میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو جماعت کا ایک دشمن کہہ سکتا تھا" صفحہ ۱۷۔

جناب ماہر القادری صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے اور یہ اطلاع ان کے لئے نئی نہ ہو گی کہ انہوں نے جس کتاب کو جماعت اسلامی کی تردید اور دشمنی قرار دیا ہے وہ کتاب صفحہ ۵ سے دیباچہ کے زیر عنوان حسب ذیل عبارت سے شروع ہوتی ہے۔ یقیناً یہ عبارت جناب ماہر القادری صاحب کی نظر سے گزری ہو گی چونکہ وہ اس کتاب پر فاران کے اگست ۱۹۶۶ء میں مفصل تنقید فرما چکے ہیں جیسا کہ زیر گفتگو مضمون کے صفحہ ۱۸ پر انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس دیباچہ کے بالکل ابتدا میں لکھا ہے کہ:

"پیش نظر تحریر دراصل ایک بیان پر مشتمل ہے جو بحیثیت رکن جماعت اسلامی راقم الحروف (ڈاکٹر اسرار احمد) نے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ تفصیل اس

---

[1] قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ماہر صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کے براہ راست مطالعہ کی ضرور کوشش کریں۔

اجمال کی یہ ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان کے اس کل پاکستان اجتماع کے موقع پر جو کراچی میں نومبر ۱۹۵۵ء میں منعقد ہوا تھا، ایک اجلاس مرکزی مجلس شوریٰ کا منعقد ہوا جس کے سامنے وہ بہت سے اعتراضات اور متبادل تجاویز ومشورے پیش کئے گئے جو جماعت اسلامی کی پالیسی اور نظام سے متعلق جماعت کے ارکان کی جانب سے موصول ہوئے تھے ...... (طے پایا کہ)
ان اعتراضات اور تجاویز پر غور کرنے کے لئے جو جماعت کے طریق کار اور پالیسی سے متعلق ہیں ایک جائزہ کمیٹی کی تشکیل کی جائے جس کے سپرد یہ خدمت ہو کہ وہ تمام پاکستان کا دورہ کرکے جماعت کے عمومی حالات کا جائزہ لے اور ارکان جماعت سے فرداً فرداً رابطہ قائم کرکے ان کی بے چینی کے اسباب معلوم کرے اور جو تجاویز ان کے ذہنوں میں ہوں ان کو مرتب کرکے ایک جامع رپورٹ مرکزی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کرے۔"

اسی تالیف کے صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴ صفحہ ۷ تا ۱۰ اور صفحہ ۱۴ تا ۱۷ پڑھنے کی قارئین کرام، بالخصوص جناب ماہر القادری صاحب کو راقم الحروف دعوت دیتا ہے۔ یہ جملہ اقتباسات میثاق شمارہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں ضمیمہ سوم کی حیثیت سے "بیان کی تحریر سے اصل مقصد" کے زیر عنوان صفحہ ۵۷ تا ۶۱ شائع بھی ہوئے ہیں، ان ہی میں ڈاکٹر صاحب کی یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ :

"اور واقعہ یہ ہے کہ اس مفصّل بیان کے تحریر کرنے سے بھی مقصود یہی تھا اور اب اس کی اشاعت سے بھی مطلوب یہی ہے کہ کسی طرح اُس تحریک کی تجدید اور اس کے احیاء کی صورت پیدا ہو جسے لے کر جماعت اسلامی اُٹھی تھی لیکن جسے اس نے تاریخ کی ایک ہی کروٹ پر بیٹھ کے بوجھ کی طرح اتار پھینکا۔" (میثاق ستمبر ۷۴ء کے صفحہ ۶۰ پہلا پیراگراف)

مزید برآں راقم الحروف اس تالیف کے صفحہ ۱۴۱ کی عبارت کا ایک مختصر سا اقتباس بھی ہدیۂ قارئین کرتا ہے جو اس تالیف میں نہایت جلی قلم سے نمایاں طور پر شائع ہوا ہے اور اصل بیان کے متن کا ایک حصّہ ہے انشاءاللہ اس کے مطالعہ سے جناب ماہر القادری صاحب کا الزام ملّت ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہو جائے گا۔ اقتباس حسب ذیل ہے :-

"میں نے جماعت اسلامی کی گود میں آنکھ کھولی ہے اور جس طرح ایک بچہ سب کچھ اپنی ماں سے سیکھتا ہے اسی طرح میں نے ان حضرات کی آنکھوں سے دیکھنا، ان کے کانوں سے سننا، ان کے دماغوں سے سوچنا اور ان کی زبانوں سے بولنا سیکھا ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے، ان حضرات ہی کا فیض ہے اور ان ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے .... میں اپنے آپ کو ان حضرات کی خاک پا کے ہم وزن بھی نہیں پاتا"

توقع ہے کہ اس وضاحت و توضیح سے اس مغالطہ کے غبارہ میں سے ہوا نکل جائے گی جو جناب ماہر صاحب

نے اس کتاب کو جماعت کے رد، اس کی مخالفت اور دشمنی سے منسوب کر کے اپنے قارئین کو دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں ایک آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا مذکورہ بالا بیان جائزہ کمیٹی کو پیش کیا تھا۔ اس کے بعد تقریباً وسط ۱۹۵۸ء تک ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کے رکن رہے اور پھر خود مستعفی ہو کر علیحدہ ہوئے۔ اگر یہ بیان جماعت کی تردید، مخالفت اور دشمنی پر مبنی ہوتا تو ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی سے خارج کر دیا جاتا یا کم از کم ان کی رکنیت معطل کر دی جاتی لیکن ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی مزید برآں جماعت کے کل پاکستان اجتماع منعقدہ فروری ۱۹۵۷ء ماچھی گوٹھ میں جب نشتم نشتم ڈاکٹر صاحب یہ بیان سنا کر سٹیج سے اُترے تو مولانا مودودی نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ "ڈاکٹر صاحب! آپ نہیں جانتے کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے!" جواباً ڈاکٹر صاحب نے کہا "مجھے بھی آپ سے بے انتہا محبت ہے اور اسی محبت کے تقاضا نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنا نقطہ نظر اور اختلاف رائے پیش کر دوں اور غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں"

> الزام ۲ : جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں ماہنامہ 'میثاق' میں ڈاکٹر (اسرار احمد صاحب کی تحریریں آتی رہتی ہیں پھر وہ ایک مستقل کتاب بھی جماعت اسلامی کی تردید میں چھاپ چکے تھے (مراد وہی کتاب ہے جس کا تذکرہ الزام ۱ میں ہو چکا ہے (ج۔ر) انجمن خدام القرآن قائم کرنے کے بعد وہ اپنے کام سے کام رکھتے۔ قرآن کریم ہی کی شرح و تفسیر اپنا موضوع بناتے اور جماعت اسلامی سے اختلاف و عناد کا مظاہرہ نہ کرتے تو اچھا تھا! مگر ماہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں ماہنامہ 'میثاق' (لاہور) کی خصوصی اشاعت میں انہوں نے جماعت اسلامی کے خلاف پھر زہر اُگلا ہے۔ جماعت اسلامی کا بوس بن کر ان کے دل و دماغ پر مسلط ہے۔ ان کی زندگی کا شاید مشن ہی یہ ہے کہ جماعت اسلامی کسی طرح مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہو جائے، لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دیں مولانا مودودی کی عظیم شخصیت کی کوئی حیثیت نہ رہے" صفحہ ۱۸

راقم الحروف ماہر القادری صاحب سے، جنہوں نے اپنے اس مضمون کے آغاز میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ اپنے اس مضمون میں جو کچھ لکھیں گے آخرت کی جوابدہی کے احساس ذمہ داری کے ساتھ لکھیں گے، خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ کیا آپ کا یہ دینی و اخلاقی فرض نہ تھا کہ اس عبارت کے بعد ڈاکٹر صاحب کی 'میثاق' ستمبر میں شائع شدہ تقریر میں سے یا ان مضامین و اقتباسات میں سے جو ڈاکٹر صاحب کے قلم سے لکھے گئے ہیں اور ان کے اپنے تحریر کردہ ہیں آپ اس عناد، مخالفت اور زہر اگلنے کی چند مثالیں بھی بیان کر دیتے جس کا حوالہ آپ نے اس عبارت میں دیا ہے؟ کیا جماعت اسلامی کے طریق کار اور مولانا مودودی کے کسی فکر و نظریہ اور رائے سے اختلاف رائے رکھنے اور اس کا اظہار کرنے کو عناد اور مخالفت ـــ زہر اُگلنے نیز جماعت اسلامی کو مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل و خوار کرنے اور مولانا مودودی کی حیثیت کو گرانے سے تعبیر کیا

جانا کسی لحاظ سے بھی درست کہا جاسکتا ہے ؟ نیز پھر راقم الحروف ماہرالقادری صاحب سے مزید دریافت کرتا ہے کہ اُمّت کے آئمہ مجتہدین نے ایک دوسرے کے دینی و فقہی مسالک و مذاہب پر جو نقد و جرح کی ہے اور جو اختلاف رائے کیا ہے وہ کس کھاتے میں لکھا جائے گا۔ مزید یہ کہ خود محترم مولانا مودودی صاحب نے بعض فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے مسالک و مذاہب سے اختلاف رائے کا تحریری طور پر جو اظہار فرمایا ہے بعض احادیث پر درایت کے اصول پر جو تنقید فرمائی ہے۔ نیز اپنی مشہور تالیف "تجدید و احیائے دین" میں جملہ مجدّدین اُمّت کے تجدیدی کام پر تنقید فرماکر ان میں سے بعض کے کارناموں میں ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی جو نشاندہی فرمائی ہے جس کے باعث مولانا کے نزدیک ہر مجدّد وقت کے کار تجدید میں خامیاں رہ گئیں تو یہ سب کاوشیں کس کھاتے میں جائیں گی ؟ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی ماہرالقادری صاحب یا کوئی سلیم العقل انسان یہ باور کرنے پر آمادہ ہوسکتا ہے کہ یہ سب جرح و تنقید اور نظریات اور مسائل و مسالک میں یہ اختلاف رائے کسی عناد کے اور مخالفت کے سبب سے ہوا ہے ؟ کیا اس لئے ہوا ہے کہ ان محترم شخصیتوں کو مجروح کیا جائے اور ان کی قدر، وقعت، وقار اور ان کی عظمت کو صدمہ پہنچایا جائے —— ! کیا اسی رویّہ اور روش کا نام "آخرت کی جوابدہی کا احساس ذمّہ داری ہے" جس کے دعویٰ کے ساتھ جناب ماہر صاحب نے اپنی گفتگو شروع فرمائی تھی ! اگر تعصب کی عینک اتار کر موصوف، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ماہ ستمبر کے میثاق میں شائع شدہ تقریر کی پہلی قسط کا مطالعہ فرماتے تو ان کو اس جذبہ امتنان و تشکر کی جھلکیاں صاف نظر آتیں جو جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کی وابستگی کے دور سے متعلق ڈاکٹر صاحب کے دل میں موجود ہے۔ نیز مولانا مودودی صاحب کے بھی ڈاکٹر صاحب ممنون احسان نظر آتے کہ جن کی تحریروں سے ان میں اسلامی فکر و شعور پیدا ہوا اور پروان چڑھا جس کا انہوں نے واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ماہر صاحب کو "میثاق" ستمبر کا صفحہ ۱۰، صفحہ ۱۱ کا ابتدائی نصف، صفحہ ۱۲ کا آخری پیراگراف اور صفحہ ۱۳ کا ابتدائی نصف حصّہ دوبارہ پڑھنے کی نیز ڈاکٹر صاحب کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی —— ایک تحقیقی مطالعہ" کے صفحہ ۴۱ کے اس اقتباس پر بھی نگاہ بازگشت ڈالنے کی دعوت دی جاتی ہے جو اسی مضمون میں پیچھے درج کیا جا چکا ہے۔

الزام ۱۲ " ڈاکٹر اسرار احمد کو مولانا مودودی کی ذات اور جماعت اسلامی سے عداوت ہو گئی ہے وہ دین و دنیا کے بہت سے معاملات کو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت کے نقطہ نظر سے سوچتے ہیں۔ حیرت ہے کہ قرآن کریم کے مطالعہ اور اللہ کی کتاب سے شغف کے بعد بھی ان کے دل کی کدورت دور نہیں ہوئی ! نیتوں کا صحیح حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب کی تحریریں اور ان کا ماضی و حال ان کی نیت کا اتا پتا دیتا ہے[1]۔ "انجمن خدام القرآن" کے قائم کرنے

---

[1] یہ "اتا پتا" ماہر صاحب کے پورے مضمون میں کہیں نظر نہیں آتا۔ (ج ۔ د)

میں بھی "صاحب تفہیم القرآن" کو زک پہنچانے اور ان (مولانا مودودی) کو گرانے کا جذبہ کارفرما ہے۔ یہ کانٹا ان کے دل سے کسی طرح نہیں نکلتا۔" (صفحہ ۲۰)

مضمون کے اس حصّہ کے مطالعہ کے وقت راقم الحروف کا ذہن بے ساختہ سورہ رعد کی اس آیت شریفہ کے اس حصّہ کی طرف منتقل ہوا جس میں کفار مکہ کے معاد کے بارے میں استعجاب کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ —— لہٰذا عرض ہے کہ حیرت کی بات وہ نہیں جو جناب ماہر القادری صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے منسوب کی ہے۔ چونکہ بحمد اللہ موصوف ان الزامات سے مبرّا ہیں۔ ہاں حیرت کی بات کوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ عبارت ایک ایسے شخص کے نوک قلم پر کیسے آگئی جو "محاسبہ اخروی کے احساسِ ذمّہ داری" کا مدعی ہو۔

اس مختصر سی عبارت میں جس ذہن و فکر اور طینت کی عکاسی ہو رہی ہے اُس کی کنہ تک ہر خدا ترس اور سلیم الطبع شخص بہ ادنیٰ تامل پہنچ سکتا ہے۔ یہ پورا الزام ڈاکٹر صاحب کی نیّت و ارادہ سے بحث کرتا ہے اور اس کا پورا تانا بانا ظن اور قیاس پر مبنی ہے۔ "نیتوں کا صحیح حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے" کے جملہ کے اضافہ کے باوجود جناب ماہر اس وبال سے شاید ہی بچ سکیں جس کا ذکر سورہ حجرات کی ایک آیت میں کیا گیا ہے کہ "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" —— ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جنوری ۱۹۶۸ء سے درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم قرآن حکیم کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں اور انجمن خدام القرآن عرصہ دو تین سال سے علوم قرآنی کی نشر و اشاعت میں جو حقیر سا حصّہ لے رہی ہے اس سارے کام میں ماہر صاحب کو صاحب تفہیم القرآن کو زک پہنچانے اور گرانے کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اسی ضمن میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک اور بات اور سُن لیجئے۔ آج سے چھ سات سال قبل مولانا اصلاحی کی شہرہ آفاق تفسیر "تدبّر قرآن" کی پہلی جلد کے شائع ہونے کے بعد راقم الحروف کو ایک صاحب نے جناب ماہر القادری صاحب کا یہ تبصرہ زبانی سنایا کہ جناب ماہر کا خیال یہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے اپنی یہ تفسیر صرف تفہیم القرآن کی ضد میں لکھی ہے۔ ماہر صاحب کے خیال میں تفہیم القرآن کے بعد اردو زبان میں کسی تفسیر کی چنداں ضرورت و حاجت باقی ہی نہیں رہی —— راقم الحروف کو اس خبر پر یقین نہیں آیا تھا اور اس نے اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دے لی تھی کہ راوی کو ذہول اور مغالطہ ہوا ہے لیکن ماہر صاحب کی مندرجہ بالا عبارت پڑھنے کے بعد نظر ثانی کی ضرورت لاحق ہوئی۔ کیا عجب کہ روایت درست اور صحیح ہو —— ! اندھا جوشِ مخالفت ایک معقول انسان سے کیسی کیسی عجیب باتیں کہلواتا اور لکھواتا ہے۔ اس کی واضح مثال ماہر صاحب کے طرز فکر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں شاید ہی کوئی دین اور قرآن کا صاحب علم و فضل ایسا ہو جو اس حقیقت سے ناآشنا ہو کہ مولانا اصلاحی درحقیقت امام حمید الدین فراہیؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ امام فراہیؒ کا خاص موضوع تدبّر قرآن اور نظم قرآن کی حکمتوں کی گرہ کشائی تھی۔ اسی کے وارث مولانا اصلاحی ہیں اور وہ امام فراہیؒ

کی وفات کے بعد ہی سے تدبّر قرآن کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے ——— یہ تو جماعت اسلامی سے وابستگی اور اس کی سرگرمیوں میں مشغولیت اور انہماک تھا جن کی وجہ سے مولانا اصلاحی کو تدبّر قرآن کے تئے اپنے حاصل مطالعہ کو منظر شہود پر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا اور یہ موقع ان کو جماعت سے علیحدگی کے بعد میسّر آیا۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت بالغہ ہی تھی کہ مولانا کو جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو کر "تدبّر قرآن" لکھنے کی سعادت ملی۔

مندرجہ بالا پورے پیراگراف کو بطور جملہ معترضہ سمجھئے اور اب اصل موضوع پر آئیے۔ راقم الحروف کو یقین ہے کہ جناب ماہر القادری صاحب کے الزام ۳ کا مطالعہ کرنے والا راقم الحروف کے اس احساس و تاثر سے اتفاق کرے گا کہ ماہر صاحب نے یہ حد درجہ ناموزوں اور غیر مناسب بات کہی ہے اس طرح تو حال اور مستقبل قریب و بعید میں قرآن حکیم کی آیات اور اس کے رموز پر تدبّر اور تفکّر کرنے والے اور ان کے نتائج، درس یا تحریر میں پیش کرنے والے ہر خادم دین پر یہ بات چسپاں ہو جائے گی کہ یہ سارا کام صاحب تفہیم کو زک پہنچانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ ماہر صاحب یقیناً اس بات سے واقف ہوں گے کہ قرآن و حدیث ہر صاحب علم دین کو قرآن حکیم پر تدبّر و تفکر کا مکلف بلکہ پابند قرار دیتا ہے اور اس پر اپنے غور و فکر کی تبیین اور اظہار کی ذمّہ داری ڈالتا ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اس مسئلہ پر گفتگو کے اختتام پر اس طویل حدیث کے اس حصّہ کا اردو ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے اور جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ:

> "علماء کبھی اس کتاب (قرآن مجید) سے سیر نہ ہوں گے۔ نہ کثرت و تکرار تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی اس کے عجائبات (یعنی نئے نئے علوم و معارف) کا خزانہ کبھی ختم ہو سکے گا"

واقعہ یہ ہے کہ جس شخص کو قرآن حکیم پر تدبّر و تفکّر اور اس کے تبیین و بیان کی توفیق مل جائے اس کی خوش بختی اور سعادت کا کیا کہنا! ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم ط

> الزام ۴ : کوئی شخص کسی کے اچھے کام میں مین میکھ نکالنے ہی پر اتر آئے تو ڈاکٹر صاحب کی تحریک خدمتِ قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسے ڈال سکتا ہے کہ ہر دور کے مستبد اربابِ اقتدار یہی چاہتے ہیں کہ لوگ دین و قرآن اور خیر و صداقت کی تبلیغ کرتے رہیں مگر جن کے ہاتھوں میں حکومت کی زمام کار ہے ان کو نہ ٹوکیں۔ ان کی ہر حرکت سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے کام میں لگے رہیں تو ڈاکٹر اسرار احمد بھی یہی کام کر رہے ہیں (صفحہ ۲۲) اسی کے ساتھ صفحہ ۲۱ کی یہ عبارت بھی پیش نظر رہے:

"یہ حضرات چین و آرام سے درس قرآن میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں نہ کوئی سلطان

جائز ہے اور نہ اعلاء کلمۃ الحق کا فرض ان پہ عائد ہوتا ہے اور نہ فسق و فجور کے خلاف احتجاج کی کوئی ضرورت ہے اور نہ خیر و شر کا کوئی نشان انہیں دکھائی دیتا ہے" (صفحہ ۲۱)

نوجوانی کے دور (اغلباً ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء) میں دہلی کے ایک رسالے میں راقم نے ایک مضمون پڑھا تھا جس میں اس رسالہ کے مدیر صاحب نے اپنے ایک حریف کے متعلق کچھ اس طرح لکھا تھا:

"اگر ہم عیب جوئی اور نکتہ چینی پہ آنا چاہیں تو ہم بتا سکتے ہیں کہ فلاں صاحب اخلاق و کردار اور عمل کے لحاظ سے ان ان کمزوریوں میں مبتلا ہیں ("ان ان" کے مقام پہ انہوں نے وہ تمام عیوب گنوا دیئے جو ان کے خیال میں ان کے حریف میں تھے۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ) لیکن ہمارا اخلاق، ہمارا ظرف اور ہمارا مقام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس پست کام کے لئے اپنا قلم اور اپنا رسالہ استعمال کریں"

تقریباً اسی سے ملتا جلتا اسلوب ماہر صاحب کے اس الزام میں نظر آئے گا۔ وہ اپنے قارئین اور جماعت اسلامی کے حلقہ اثر کے اذہان و قلوب میں جو وسوسہ اندازی چاہتے تھے وہ بڑی مہارت سے اس طرح انجام پا گئی اور موصوف مین میکھ نکالنے اور وسوسے ڈالنے کے الزام سے بچ بھی گئے۔ ادبی مہارت فن اسی کا نام ہے

راقم الحروف کا ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۸ء تک جماعت اسلامی سے عملی تعلق رہا ہے اسے اس قسم کے وسوسہ اندازوں سے کافی سابقہ پیش آتا رہا ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جب مولانا مودودی نے "مسئلہ قومیت" اور "سیاسی کش مکش حصہ اوّل و دوم" ۱۹۳۶/۳۷ء کے لگ بھگ شائع کیں جن میں اُن علماء اور مسلمانوں کے لیڈروں پہ اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی گئی تھی جو کانگرس کی جنگ آزادی میں ان کے حامی و رفیق اور مؤید و متفق تھے تو ان علماء و اکابر کے ہمدردوں کے حلقہ کی جانب سے مولانا کے متعلق یہ وسوسہ اندازی کی گئی کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں۔ چونکہ اُس دور میں کانگرس کے حامیوں پر تنقید برطانوی راج کی حمایت کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ بعدہٗ جب مولانا موصوف کی تیسری تصنیف "سیاسی کش مکش حصہ سوم" (اغلباً ۳۹/۱۹۳۸ء میں) شائع ہوئی جس میں مسلم لیگ کی قومی تحریک پر تنقید کی گئی تھی، اور جس میں اسلامی تحریک کے خد و خال، اس کے اصول و مبادی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ سے ماخوذ اسلامی انقلاب کا طریق کار پیش کیا گیا تھا[1] تو مسلم لیگی حلقوں سے مولانا اور بعدہ جماعت اسلامی کے خلاف بڑے پیمانہ پر یہ وسوسہ اندازی کی گئی کہ یہ سب کچھ کانگریس کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ اس دور

[1] واضح رہے کہ سیاسی کش مکش حصہ سوم کو جماعت اسلامی کی تاسیس و قیام میں خشت اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ جماعت کی دعوت اور اس کے لئے خالص اسلامی طریق کار کا فہم و ادراک حقیقت میں اسی کتاب کے مطالعہ سے واضح طور پر سامنے آتا ہے جو حضرات جماعت اسلامی سے اختلاف رکھنے والوں کا نقطہ نظر اور جماعت کے موقف کی تبدیلی اور طریق کار کے انحراف کو سمجھنا چاہیں ان سے اس کتاب کے مطالعہ کی درخواست ہے۔ (ج۔ ر)

میں لیگ پر تنقید کرنا کانگریس اور ہندو کا ایجنٹ ہونے کی ناقابل تردید دلیل سمجھی جاتی تھی۔ آج جماعت اسلامی کے حامیوں کی جانب سے جماعت سے اختلاف رائے رکھنے والوں کے متعلق اقتدار وقت کا موئید قرار دے کر وسوسہ اندازی کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر اسی پاکستان میں از روز اوّل تا امروز جماعت کے خلاف اس کے حقیقی مخالفین کی جانب سے وسوسہ اندازی کا سلسلہ برابر جاری ہے کہ کوئی جماعت کی پشت پر بھارت کو بتاتا ہے تو کوئی امریکہ کو!

اسی ضمن میں جی چاہتا ہے کہ جناب ماہر القادری صاحب سے پوچھا جائے کہ تقسیم ملک سے قبل جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے وہ کون سے براہِ راست اقدامات تھے جو اس وقت کے بدیشی سامراج اور سلطان جائر (حکومت برطانیہ) کے خلاف کیے گئے تھے!!

جناب ماہر کے اس الزام میں یہ بات بھی قارئین کرام کے اذہان میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر کوئی خادمِ دین، دین و قرآن اور دیگر صداقت کی تبلیغ کے کام میں لگ جاتا ہے تو یہ کام ہر دور کے مستبد ارباب اقتدار کی خاص و عین منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کا سارا کام اقتدار کے منشا و مقصود کے مطابق ٹھہرتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم ہی وہ کتاب ہے جو دنیا کے تمام باطل نظریات کا ابطال اور ہر طاغوتی نظام کی تردید کرتی ہے۔ قرآن حکیم کے پیغام، دعوت اور تعلیمات کو عام کر دیا جائے تو انشاء اللہ دیکھتے دیکھتے تمام عالم انسانی بالخصوص مسلمانوں کی جو اس کتاب پر کتاب الٰہی ہونے کا یقین و ایمان رکھتے ہیں، ایک عظیم صالح انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ اُمّتِ مسلمہ کے زوال کا سب سے اہم اور عظیم سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا تعلق اس کتاب مبین، فرقان حمید سے مضمحل ہوتے ہوتے تقریباً انقطاع کے درجے تک پہنچ گیا ہے اور ان کے نزدیک اس کتاب کا مقام ہدایت نامۂ خداوندی کے بجائے صرف ایک متبرک آسمانی کتاب کا رہ گیا ہے اور اس عقیدہ و خیال میں بھی ریب و تشکیک کے بے شمار کانٹے موجود ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب جنوری ۱۹۶۸ء سے اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمانوں کا حقیقی و شعوری تعلق قرآن مجید، فرقان حمید سے استوار و قائم ہو جائے۔ مزید برآں پھر جن حضرات کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے منتخب قرآنی نصاب کو سننے کا موقع ملا ہے یا جنہوں نے اس نصاب میں شامل قرآن حکیم کے مقامات اور ان کی ترتیب پر ادنیٰ بھی غور و فکر کیا ہے ان کو لازماً یہ شعور و ادراک حاصل ہوگا کہ یہ منتخب قرآنی نصاب محض حصول برکت کے لئے مترتب نہیں کیا گیا بلکہ اس کا ایک عظیم مقصد ہے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ اُسے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی کی زبانی سنیے جو 'میثاق' ستمبر کے شمارہ میں صفحہ ۳ پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں موجود ہے اور یقیناً جناب ماہر القادری صاحب کی نظر سے بھی گزرا ہوگا۔ چونکہ 'میثاق' کا یہ شمارہ ہی ان کی جراحتِ قلم کا تختۂ مشق بنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے منتخب نصاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"اس کی ترتیب میں اصل مقصد یہ پیش نظر رہا ہے کہ ہمارے سامنے اللہ کے دین کا ایک صحیح، ہمہ گیر اور جامع تصوّر بھی آ جائے اور ہم پر اپنی ذمہ داریاں اور فرائض بھی منکشف ہو جائیں

گویا ہم پر یہ بھی واضح ہو جائے کہ ہمارا دین ہے کیا؟ اور یہ بھی منکشف ہو جائے کہ وہ ہم سے چاہتا کیا ہے؟ !! ..... ہمارا دین عام مذہبی تصورات کے مطابق صرف چند عقائد اور رسوم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ پوری زندگی پر حکمرانی چاہتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے پر اپنی کمل داری کا طالب ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ اولاً وہ اسے خود اپنی زندگیوں میں بہ تمام و کمال رائج کریں اور پھر اُسے ہیئتِ اجتماعیہ حتیٰ کہ پورے کرۂ ارضی پر نافذ و غالب کرنے کی کوشش کریں اور اس میں تن من دھن سب کچھ کھپا دیں[۱]۔"

ماہر صاحب یقیناً اس بات سے واقف ہوں گے کہ یہ سُلطانیٔ جمہور کا دور ہے۔ جمہوری عمل سے جو اقتدار ظہور میں آتا ہے وہ ملک کے عوام کی عظیم ترین اکثریت کے فکر و نظر، عقیدہ و خیال اور عمل و کردار کا عکاس اور نمائندہ ہوتا ہے۔ خود مولانا مودودی کے بقول جس معیار کا دودھ ہوگا اس دودھ سے اسی معیار کا مکھن حاصل ہوگا۔ دودھ اگر مسموم ہے تو اس کا مکھن اور کریم تاثیر کے لحاظ سے کہیں زیادہ مسموم ہوگا۔ جمہوری عمل انتخاب دودھ بلو کر مکھن حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ راقم الحروف اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے محترم مولانا مودودی صاحب ہی کے لٹریچر سے دو اقتباسات پیش کرتا ہے جو انشاء اللہ بے حد مفید مطلب ثابت ہوں گے۔

- پہلا اقتباس از "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" مطبوعہ ۴۰/۱۹۳۹ء مضمون "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" "کسی سوسائٹی میں جس قسم کے فکری، اخلاقی، تمدنی اسباب و محرکات فراہم ہوتے ہیں ان کے تعامل سے اسی قسم کی حکومت وجود میں آتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک درخت اپنی ابتدائی کونپل سے لے کر پورا درخت بننے تک تو لیموں کی حیثیت سے نشوونما پائے مگر بار آوری کے مرحلے پر پہنچ کر یکایک آم کا پھل دینے لگے۔"
- دوسرا اقتباس از "جماعت اسلامی کی انتخابی جد و جہد" مطبوعہ ۱۹۵۱ء جس میں مولانا محترم فرماتے ہیں کہ "ہم ان کو (یعنی عامۃ المسلمین کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یاد دلائیں گے کہ "كَمَا تَكُونُوا كَذَالِكَ يُوَمَّرُ عَلَيْكُم" جیسے تم ہوگے ایسے ہی تم پر حکمران بنائے جائیں گے" اور "اعمالكم عمّالكم" "تمہارے اپنے اعمال ہی تمہارے حکمرانوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں" ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو اور یہ

---

[۱] ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن حکیم اور منتخب قرآنی انصاب کے متعلق کراچی، حیدر آباد، بہاولپور اور لاہور کے بعض ارکان جماعت نے جن میں چند حضرات چوٹی کے لیڈر شمار کئے جاتے ہیں راقم الحروف سے اس تاثر کا اظہار کیا ہے کہ ان کے نزدیک ڈاکٹر صاحب ان دروس کے ذریعہ جماعت اسلامی ہی کی دعوت پیش کرتے ہیں اور وہ جماعت کے رفقا کو اپنے طور پر ان دروس کو سننے کی دعوت دیتے اور رغبت دلاتے رہتے ہیں (ج ر)

تمنا رکھتے ہو کہ خدا وند تعالیٰ تم پر اچھے حاکم مقرر کرے تو اپنے آپ کو بدلو، اپنے اخلاق ٹھیک کرو، اپنی نیتیں درست کرو اور اپنے خدا کے وفادار بنو۔ تم خدا سے دغا کرنا چھوڑ دو گے تو خدا بھی تم پر ان حاکموں کو مسلط نہ کرے گا جو تم سے دغا کریں۔"

ان تصریحات اور ان دونوں اقتباسات سے توقع ہے کہ یہ بات منقح ہو کر قارئین کے سامنے آجائے گی کہ فی زمانہ اصلاً "سلطانی کا مقام" عوام الناس کو حاصل ہے کہ جن کے ووٹوں سے "اقتدار" وجود میں آتا ہے۔ اس لئے حقیقی اصلاح اور خالص اسلامی انقلاب کے لئے لازمی ہے کہ اپنی دعوت و تبلیغ کا اصل ہدف عامۃ المسلمین کو بنایا جائے، قرآن و حدیث سے ان کے عقیدہ و خیال کی گمراہیوں پر تنقید کی جائے، ان کے عمل و کردار اور اخلاق و معاملات کی ضلالتوں سے آگاہ کیا جائے۔ ان کو ان اوامر و نواہی اور احکام و فرائض سے واقف کرایا جائے جن کا دائرہ عمل ان کی انفرادی زندگی ہے۔ جس فسق و فجور میں وہ مبتلا ہیں ان سے ان کو آگاہ کیا جائے ان کو ان فرائض و احکام کا عامل بنانے اور ان منکرات و عصیاں اور بدعات سے باز رکھنے کی پوری دلسوزی اور ہمدردی سے سعی و جہد کی جائے جو ان کی انفرادی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس میں کوئی مستبد اقتدار مانع نہیں ہوتا۔ ان میں محاسبہ اُخروی کا حقیقی احساس اور خوف پیدا کیا جائے اور اسلامی نظام حیات کے مادّی فوائد و برکات سے زیادہ ان کو نجاتِ اُخروی اور حصول رضا الٰہی کا قائل و آرزومند بنانے کی سعی کی جائے۔ ان میں توحید کا حقیقی تصوّر پیدا کیا جائے اور انہیں سنت رسول کے اتباع کا خوگر بنایا جائے۔ ان کے سامنے صرف جاہلیت جدیدہ (مادّہ پرستانہ نظریات و فلسفہ اور خدا ناآشنا تہذیب و ثقافت اور اس کے مضمرات) ہی پر تنقید نہ ہو بلکہ جاہلیت قدیمہ (مشرکانہ عقاید، مبتدعانہ اعمال و رسوم) پر بھی بھرپور تنقید کی جائے چونکہ جاہلیت قدیمہ (مشرکانہ عقائد اور بدعات) نے دین و مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور ان منکرات کو عام مسلمانوں نے عین دین و اسلام سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے اس لئے مقابلتاً یہ جاہلیت قدیمہ تنقید کی زیادہ مستحق ہے۔ مولانا مودودی ہی کے بقول تبدیلی قیادت اور حصول اقتدار سے پہلے مسلمانوں میں اس نقطہ نظر کو راسخ کرنے کی ضرورت ہے کہ:

> " ایتونی شیئًا من کتاب اللّٰہ و سُنّۃ رسولہٖ حتیٰ اقول۔ میرے سامنے شخصیتوں کو نہ لاؤ۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، عالم و فاضل ہو، مفسرِ قرآن ہو، معلّم حدیث ہو، ماہر سیاست ہو، عمل و قربانی کا نمونہ ہو، اس کی حرمت میرے سر آنکھوں پر، مگر جو ہدایت وہ دے رہا ہے اگر وہ اس کے ذہن کی پیداوار ہے تو میرے لئے لائق اتباع نہیں۔ ہاں اگر وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے کوئی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے تو شخصی عظمت کی آمیزش سے الگ کر کے اس کو اور صرف اس کو سامنے لاؤ اس لئے کہ وہی لائق اتباع ہے، اسی میں سچی ہدایت ہے اور اسی کی پیروی میں فلاح و نجات ہے۔ اس کے بتائے راستے میں خواہ کتنے

ہی دشواریاں ہوں، کتنے ہی خدشات اور کتنے ہی نقصانات ہوں آخری اور دیرپا اور یقینی کامیابی اسی سے حاصل ہوسکتی ہے۔" (سیاسی کش مکش حصّہ اوّل)

جس آزاد ملک میں "جمہوریت" کے عمل سے اقتدار وجود میں آتا ہو اس میں "اقتدار" عالم بالا کی شئے دگر نہیں ہوتا بلکہ اپنے معاشرہ کا حقیقی نمائندہ و عکاس اور اس کا ایک جزو ہوتا ہے لہذا اقتدار کو صالح قیادت سے تبدیل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ زیادہ زور اور توجہ اس معاشرہ کو صالح اور حقیقی مسلم و مومن بنانے پر صرف کی جائے کہ جس کے ووٹوں سے اقتدار وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے جس میں آمر و مامور دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بلاشبہ صاحب امر کی ذمہ داریاں سوا ہو جاتی ہیں اس لئے ان کے قول و عمل کا محاسبہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اقتدار کو معاشرہ سے الگ ایک بالکل علیحدہ طبقہ قرار دے کر تنقید و جرح میں یہ انداز اختیار کرنا کہ گویا معاشرہ کا سواد اعظم تو بڑا اصلاح یافتہ، صالح، دیندار، متقی اور پرہیزگار ہے اسلام کا دالہ و شیدا ہے۔ ان تمام اوامر و احکام پر عامل اور ان نواہی و منکرات سے مجتنب ہے جن کا کتاب و سنت میں ہر ہر مسلمان کی انفرادی زندگی سے تعلق ہے۔ صرف اقتدار ہی غیر صالح اور غیر متقی ہے جو ان اوامر و نواہی اور حدود و تعزیرات کے نفاذ میں مانع ہے جو اجتماعیت سے متعلق ہیں۔ سوچ اور عمل کا یہ انداز حکمت دین کے بالکل خلاف ہے۔ اس طرز فکر و عمل سے قیامت تک وہ نتائج برآمد نہیں ہوسکتے جو کتاب و سنت کے بتائے ہوئے منہج و طریق اصلاح و انقلاب پر کام کرنے سے برآمد ہوسکتے ہیں جس کی داعی اور علمبردار بن کر جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں اصلاً اٹھی تھی —— مغربی طرز جمہوریت کی وضع کردہ "حزب اقتدار" اور "حزب اختلاف" کی معروف اصطلاحوں کے مطابق برسراقتدار پارٹی سے تصادم، نبرد آزمائی، کش مکش اور حصول اقتدار کی جنگ ہرگز ہرگز اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے لئے مفید مطلب نہیں ہوسکتی بلکہ رکاوٹ و مزاحم ہی ثابت ہوگی۔

مزید برآں قرآن و سنت سے دعوت دین حق اور تبلیغ دین مبین کا جو اصل الاصول سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں نصیحت، خیر خواہی اور دلسوزی و ہمدردی کا جذبہ اور انداز غالب ہونا چاہیئے۔ طنز و تشنیع اور طعن و تعریض سے دامن بچانا چاہیئے۔ تند و تلخ لب و لہجہ والی تنقید سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیئے۔ عیب جوئی کی روش سے اجتناب کرنا چاہیئے اور مثبت طریق سے اپنے مخاطب چاہے وہ ارباب اقتدار ہی کیوں نہ ہوں، نرمی کے ساتھ خوف خدا اور محاسبہ اخروی اور مکافات عمل سے ڈرانا چاہیئے۔ اس رائے کے ثبوت کے لئے قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات انشاءاللہ مفید مطلب ہوں جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کو جو خدائی کا مدعی تھا، دعوت و تبلیغ کے لئے تفہیم کی گئی تھیں۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ سورہ طٰہٰ آیات ۴۳، ۴۴

"تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے۔ پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ شاید

وہ (برغبت) نصیحت قبول کرے یا (عذاب الٰہی) سے ڈر جائے۔"

(ترجمہ بیان القرآن - مولانا اشرف علیؒ)

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ
اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ (سورۃ النّٰزعات آیت ۱۷-۱۸-۱۹)

"تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے۔ سو اس سے (جاکر) کہو کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے[1] اور میں تیری تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں کہ تو ڈرنے لگے۔" (ترجمہ مولانا اشرف علیؒ)

فرعون تو فرعون ہی تھا خدائی کا مدعی۔ موجودہ ارباب تو پھر ہمارے ہی اپنے بھائی ہیں۔ "اصلی" نہ سہی "نسلی" مسلمان تو ہیں[2]۔ دل سے نہیں زبان سے تو اسلام و ایمان کے مدعی ہیں اور خادم اسلام ہونے کی مدعی ہیں۔ ارباب اقتدار کی اس روش اور رویہ ہی سے ملتا جلتا حال پاکستان میں بسنے والی مسلمان قوم کی ۹۰ فیصد سے بھی زاید اکثریت کا ہے لہٰذا عوام الناس کے عقیدہ و خیال اور عمل و کردار سے صرف نظر کرنا یا اس پر انتہائی کم توجہ دینا اور محض اقتدار کو ہدف بنانا کہاں تک درست کہا جاسکتا ہے؟

الزام ۴ کا تجزیہ خاصہ طویل ہو گیا۔ لیکن قارئین کو اس تجزیہ میں انشاء اللہ اس اختلاف رائے کے چند اہم پہلوؤں کا سراغ بھی مل جائے گا جو ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے ان چند رفقاء کو جو ماضی میں جماعت اسلامی میں شامل رہے ہیں جماعت اسلامی کے موجودہ موقف اور طریق کار سے ہے۔ خاص اس پہلو سے گفتگو کی ضرورت کیوں لاحق ہوتی؟ اس پر راقم الحروف کسی دوسرے مضمون میں انشاء اللہ وضاحت سے کچھ عرض کرنے کی کوشش کرے گا۔ الزام ۴ کے ضمن میں ایک آخری بات یہ عرض ہے کہ جن اعمال سیہ میں ہمارے ارباب اقتدار اور ہماری حکومت کے کار پردازان کی عظیم اکثریت مبتلا نظر آتی ہے جیسے رقص و سرود کی محافل، ناؤ و نوش کی مجالس، مرد و زن کی مخلوط تقاریب، عریانی، بے پردگی، فحاشی، فیشن پرستی یہ سب فسق و فجور ہیں۔ ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے، ان پر جتنی بھی لعن طعن کی جائے بالکل حق بجانب ہے۔ ان کو مٹانے کی ہر مخلصانہ سعی و جہد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جہاد ہے اور عظیم جہاد ہے جن کو اس کی توفیق حاصل ہے ان کو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا واجب ہے البتہ اس کام میں یہ بات ملحوظ رہنی ضروری ہے کہ یہ کام محض ایک طبقہ کو مطعون کرنے، اسی کو بدنام کرنے، اس سے اقتدار چھیننے کے جذبہ سے نہ ہو۔ بلکہ خالص رضائے الٰہی کے حصول اور

---

[1] یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اصلاً دعوت اصلاح اور خوف خدا کی دی جارہی ہے اقتدار سے دست کش ہونے کی نہیں (ج ر)

[2] اصلی مسلمان اور نسلی مسلمان کی اصطلاحات محترم مولانا مودودی ہی کی وضع کردہ ہیں ملاحظہ ہو سیاسی کشمکش حصہ سوم (ج ر)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی کے جذبے سے ہو۔ لیکن فسق و فجور صرف ان افعال تک محدود نہیں ہے۔ عقیدہ و خیال میں مشرکانہ عقائد کی آمیزش اور عمل و کردار میں خلاف اسلام رسوم و افعال کی پیروی اور بدعات و منکرات کی اسلام کے نام پر انجام دہی بھی ضلالت اور فسق و فجور ہیں۔ قبر پرستی، انبیاء و اولیائے کرام کے یوم ولادت و یوم وفات منانا، یہ سوئم اور چہلم، یہ تعزیے اور محرم کی سبیلیں، یہ عرس اور قبروں پر میلے ٹھیلے، سماع اور دھمال اور رقص کی تقریبات، روحانی علاج کے نام سے یہ تعویذ گنڈے، یہ قوالیاں، یہ گیارھویں، جلسوں اور جلوسوں میں نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری کے نام سے غیر اللہ کے لئے یہ دعا اور یہ پکار۔ یہ حالت قیام میں مشرکانہ تخاطب سے درود و سلام۔ یہ اور اس قبیل کے تمام افعال و اعمال فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی ہیں، بدعت ہیں اور قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے منافی و خلاف ہیں۔ پھر پہلی قسم کے فسق و فجور اور ضلالت میں ہمارے اصحاب اقتدار اور ہماری حکومت کے اہلکار اور ہمارے معاشرے کے مترفین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی جو اکثریت مبتلا ہے اس کا ہماری آبادی میں بمشکل تمام زیادہ سے زیادہ دس فیصد تناسب ہوگا اور اس دس فیصد افراد کی ۹۰ فیصد تعداد بھی اس کام کو کم از کم دل میں بُرا محسوس کرتی ہوگی اور ان کا ضمیر ان کو کچوکے دیتا رہتا ہوگا۔ لیکن جس ضلالت، بدعات، منکرات اور فساد عقیدہ و عمل میں ہمارے عوام و خواص، ہمارے سرمایہ دار و مزدور، ہمارے زمیندار و کاشتکار، ہمارے تعلیم یافتہ اور ناخواندہ کی کم و بیش ۸۵ فیصد آبادی مبتلا نظر آتی ہے وہ ان تمام سیئات کو حسنات اور عین دین سمجھ کر اختیار کرتی ہے لہذا زیادہ توجہ کے محتاج معاشرے کے یہ طبقات ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اقتدار کو وجود میں لانے کی اصل کلید ہیں۔ ان طبقات کے سامنے کلمہ حق کہنا ہی اس زمانے کا افضل ترین جہاد ہے چونکہ یہی لوگ فی زمانہ سلطان جائر کے مقام پر فائز ہیں اسی پر گرفت کرنے سے جماعت اسلامی گریزاں ہے چونکہ یہ حق گوئی حصول ووٹ میں مانع ہوگی۔

الزام ۵: تبلیغی جماعت جو صلحا کی جماعت ہے[1] اس کے واعظین اور اکابر اپنے دوروں اور تقریروں کے پروگرام اخباروں میں نہیں چھپواتے مگر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سیاست باز لیڈروں کی طرح اپنے دوروں اور پروگراموں کے اشتہار اور اعلانات اخباروں میں چھپواتے ہیں۔ یا ان کے معتقدین اور متاثرین پبلسٹی کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اس بات کو پسند نہ فرماتے تو ان کے معتقدین ایسا نہ کرتے[2]۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے کتابچے رسالوں اور اخباروں میں تنقید کے لئے

[1] خدا کے شکر کا مقام ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی مخالفت کے جوش میں ماہر کے قلم سے تبلیغی جماعت کے متعلق اس حسنِ ظن کا اظہار ہو گیا۔ (ج ر)

[2] گویا ماہر القادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اشتہار و اعلانات کا سارا کام ڈاکٹر صاحب کی تائید و منشا ہی سے انجام دیا جاتا ہے۔ (ج ر)

بھیجے جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس جد و جہد میں شہرت اور داد و ستائش کا جذبہ بھی اپنا کام کر رہا ہے[1]۔ انبیاء اور صلحا کی بہر حال یہ روش نہیں رہی۔" صفحہ ۲۲

اسی عبارت کے ساتھ صفحہ ۱۷ کی یہ عبارت بھی پیش نظر رکھیے :

"چند مہینے قبل "انجمن خدام القرآن شاخ کراچی" کی طرف سے ایک پوسٹر شائع ہوا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب کو اس تحریک کا خادم نہیں "قائد" لکھا تھا"[2]

قارئین کرام یقیناً "اختلاف رائے" اور "مخالفت" کے معنی و مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ اور راقم الحروف کی اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ اس معنی و مفہوم کو واضح کرنے کے لئے ماہر صاحب کی یہ عبارت ایک شاہکار مثال کا کام دے گی —— اندھا جوشِ مخالفت دراصل اندھے کی لاٹھی کے مصداق ہوتا ہے۔ بصارت سے محروم ہونے پر جس طرح نابینا لاٹھی چلاتے وقت یہ دیکھنے سے معذور ہوتا ہے کہ اس کی لاٹھی کی زد میں کون کون آئے گا اسی طرح جب کوئی اہلِ قلم مخالفت و تعصب کی عینک چڑھا کر تنقید کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کے ذہن و شعور سے یہ بات اوجھل ہو جاتی ہے کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑے گی —— ماہر صاحب کی اس عبارت سے ان کا جو نقطہ نظر قاری کے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک !

- دوروں اور تقریروں کے اشتہار اور اعلانات اخباروں میں چھپوانا سیاست باز لیڈروں کا کام ہے
- یہ روش شہرت اور داد و ستائش کے جذبہ کی طلب کی نشاندہی کرتی ہے۔
- انبیاء اور صلحا کی بہرحال یہ روش نہیں رہی۔

جناب ماہر القادری صاحب کی اس عبارت کے پیش نظر ان سے یہ دریافت کرنے کا ایک قاری کو حق مل جاتا ہے کہ محترم ! یہ آئے دن جماعت اسلامی کی جانب سے اخبارات میں اعلانات اور نہایت ہی نمایاں طور پر انتہائی مہنگے اشتہارات کے ذریعہ جماعت اسلامی کے اکابر کے دوروں اور تقریروں کے جو اعلانات چھپتے رہتے ہیں بلکہ ان کے ذریعہ استقبال کے لئے جو دعوت دی جاتی رہتی ہے نیز جماعت اسلامی کے شعبہ خدمت خلق کے کاموں کی پبلسٹی کے لئے ضرورت سے زیادہ جگہ پر انتہائی جلی اور نمایاں طور پر اجرت پر جو اشتہارات چھپتے رہتے ہیں۔ وہ ماہر صاحب کے نزدیک کس زمرے میں آتے ہیں ؟ ابھی حال ہی میں مولانا مودودی کی امریکہ سے واپسی پر لاہور اور کراچی کے اخبارات میں اعلانات اور بڑے بڑے اشتہارات کے ذریعہ ہوائی اڈے پر مولانا موصوف

---

[1] اس نرالی اور پیاری منطق پر جناب ماہر القادری کو جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ یہ حسن کرشمہ ساز کی کارسازی کی بڑی نادر مثال ہے۔ (ج ر)

[2] بالکل صحیح گرفت ہے۔ راقم الحروف کو ماہر صاحب کے پورے مضمون میں یہی ایک کام کی بات نظر آئی ہے توقع ہے کہ انجمن خدام القرآن کراچی اس بات کو گرہ میں باندھ لے گی۔ (ج ر)

کا استقبال کرنے کی جو دعوت عوام کو دی گئی اور مفصل پروگرام سے آگاہ کیا گیا وہ کس کھاتے میں جائے گا؟ نیز یہ کہ جماعت کی اس روّیہ و روش پر جناب نے کتنی بار اور کب کب گرفت فرمائی ہے؟

راقم الحروف کو احساس ہے کہ اس تجزیہ و تعاقب میں ایک الزامی جواب کا سا انداز پیدا ہو گیا ہے بہرحال یہ جماعت اسلامی جانے کہ وہ جناب ماہر صاحب کا اس سلسلہ میں کیا نوٹس لیتی ہے؟ چونکہ سیاست بازلیڈروں نیز شہرت اور داد و ستائش کے طلب گاروں کی جو ٹوپی انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے سر پر منڈھنے کی سعی فرمائی ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے سر پر آئے یا نہ آئے البتہ وہ جماعت اسلامی کے سر پر بالکل راست (FIT) آتی ہے۔ نیز موصوف نے جس روش کو انبیاء و صلحاء کی روش سے ہٹا ہوا قرار دینے کی کوشش کی ہے وہ بھی بہ کمال و تمام جماعت اسلامی پر منطبق ہوتی ہے[1]۔

الزام ۶: "ڈاکٹر اسرار احمد کا منفی انداز فکر ان کی تحریروں سے خاصا جھلکتا ہے اور ان کے

---

[1] تازہ ترین: روزنامہ جنگ ۲۷ اکتوبر کی اشاعت میں آخری صفحہ پر دس مربع انچ میں نمایاں اور جلی طور پر ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس کا مضمون ہے "جماعت اسلامی کراچی"۔ "بے حد مشکور ہے" (مشکور کے لفظ کا استعمال صحیح نہیں شکرگزار ہونا چاہیئے تھا) "ان تمام اہل خیر کی جن کے تعاون سے"۔ "عید الفطر کے موقع پر"۔ "۲۰ ہزار روپے نقد"۔ "دو ہزار چار سو گز کپڑا" "...ساڑھیاں اور لنگیاں"۔ "ہزاروں سلے ہوئے کپڑے"۔ (قوسین کی ہر عبارت ایک علیحدہ سطر میں دی گئی ہے)۔ "جماعت کی کمیٹی برائے امداد و بحالی مہاجرین مشرقی پاکستان نے مہاجرین مشرقی پاکستان میں تقسیم کئے"۔ (یہ عبارت دو سطروں میں ہے) "اللہ تعالیٰ تعاون کرنے والے حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین"۔ (ایک سطر) اس اشتہار کی اجرت ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہوگی اور اس کا مقصود محض پبلسٹی ہے۔ دینی نقطہ نظر سے یہ فعل راقم کے نزدیک تبذیر اور ریا کی تعریف میں آتا ہے (جناب ماہر کا کیا خیال ہے؟) تبذیر و ریاء کے متعلق سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۷ اور سورہ ماعون پر نظر ڈال لیجئے ـــــ نیز روزنامہ جنگ ۷ نومبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت کے آخری صفحہ پر شائع شدہ، جماعت اسلامی کے اعلان کے آخری حصہ پر بھی نگاہ ڈال لیجئے جس کے الفاظ ہیں "میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان، تقریباً ستر دن کے کامیاب دورے (امریکہ و یورپ) کے بعد کراچی آرہے ہیں۔ پروفیسر عبدالغفور احمد امیر جماعت اسلامی کراچی نے اہالیان کراچی سے درخواست کی ہے کہ وہ کل (مراد ہے جمعہ یکم نومبر) میاں طفیل محمد کا کراچی ایئرپورٹ پر شایان شان استقبال کریں"۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اس اعلان میں جہاز کے پہنچنے کا وقت ۱۲ بجے دن دیا گیا تھا اور یکم نومبر کو جمعہ کا دن تھا۔ (ج ر)

اندر بڑے بننے کی خواہش بھی موجود ہے " (صفحہ ۲۱)

اسی کے ساتھ جناب نواز ایم اے کے تبصرہ شائع شدہ فاران ستمبر ۱۹۶۶ء کا وہ اقتباس بھی پیش نظر رکھیے جو اسی عبارت سے متصلاً قبل اسی صفحہ ۲۱ پر موجود ہے جس کی تائید کے طور پر جناب ماہرالقادری صاحب نے بڑا بننے کی کوشش کا الزام لگایا ہے ۔

" ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بلا کے ذہین انسان ہیں ۔ ان کی ذہانت سے ان کے دوستوں کو اچھی توقعات تھیں لیکن ان کے منفی انداز فکر نے انہیں ایسی راہ[1] پر ڈال دیا ہے اور وقت سے پہلے بڑا بننے کی خواہش نے انہیں ایک ایسے چکر میں پھنسا دیا ہے[2] ۔" صفحہ ۲۱

اسی موقع پر ماہر صاحب کی یہ رائے بھی سن لیجئے جس کا اظہار وہ فاران اگست ۱۹۶۶ء میں کر چکے تھے جس کا انہوں نے زیر تجزیہ مضمون کے صفحہ ۱۹ پر ایک اقتباس کے طور پر اعادہ کیا ہے ۔

" ... وہ (ڈاکٹر صاحب) کسی تنظیم میں گمنام رکن کی حیثیت سے کام کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں[3] ۔ اور جس تنظیم میں خود ان کی شخصیت کو خاص اہمیت نہ دی جائے اس تنظیم سے وہ زیادہ دن تک وابستہ نہیں رہ سکتے[4] ان کی ذہانت اپنا اظہار و نمود اور جلوہ گری چاہتی ہے[5] ۔" صفحہ ۱۹

یہاں بھی تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے ۔ ۱۹۴۸ء میں جب مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے اسلامی دستور کی تحریک اور مہم چلائی تو وقت کے وزیر اعظم نے کچھ اس قسم کی رائے کا اظہار فرمایا کہ " مولانا مودودی وقت سے پہلے پاکستان کے امیر المومنین بننا چاہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ پہلے پاکستان کو مضبوط ہو لینے دو پھر جو چاہو بن جانا " یہ بڑا قدیم حربہ ہے کہ جو شخص بھی خیر و صلاح کے لئے اٹھے اس پر یہ الزام چسپاں کر دیا جائے کہ کچھ نہیں بس یہ شخص بڑا بننے اور اپنے اظہار و نمود اور جلوہ گری چاہنے کا بھوکا ہے اور شہرت طلبی اس کا مطلوب و مقصود ہے ——— ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے ترجمان القرآن کے صفحہ ۸ پر مولانا مودودی کا ایک مضمون اسی ذیلی عنوان کے تحت اشاعت پذیر ہوا کہ " یہ الزام کہ حضور اپنی بڑائی چاہتے ہیں " قارئین بالخصوص جناب ماہر صاحب سے اس مضمون کے مطالعہ کی پُر زور درخواست ہے ۔

جناب ماہر القادری صاحب اور جناب محمد نواز صاحب ایم اے ڈاکٹر صاحب کی ذہانت و فطانت کے معترف نظر آتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کا حلقہ تعارف واقعی بھی اس بات کو جانتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تقریر و تحریر کی صلاحیت اور فہم قرآن حکیم کی دولت عطیۂ خداوندی ہے ۔ ایسے ذہین و فطین شخصیت کے ابھرنے، ممتاز ہونے،

[1،2] " ایسی راہ " اور " ایسے چکر " کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔ اقتباس بس اتنا ہی ہے ۔ (ج ر)

[3،4،5] کیا خوب ! سوانح ڈاکٹر اسرار احمد کی ۔ ماہر القادری صاحب کو نیت و ارادہ کے علم کا ذریعہ کشف و الہام میں قرار دیا جا سکتا ہے (ج ر)

مشہور ہونے کے جتنے مواقع جماعت اسلامی کے اندر رہتے ہوئے حاصل تھے جماعت کے باہر مفقود ہیں۔ بلکہ جماعت سے علیحدگی کے بعد تو ان کا حلقہ اثر اور تعارف محدود ہی نہیں، محدود تر بن ہو گیا ہے۔ اگر وہ جماعت ہی سے وابستہ رہتے تو ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ اس وقت جماعت اسلامی کی صفِ اوّل کی ممتاز ترین شخصیت ہوتے۔ پھر ایک طالع آزما اور شہرت پسند کے لئے جب کہ وہ جماعت اسلامی کا مخالف بھی سمجھا جاتے بہترین مواقع اقتدار وقت سے تعاون کرنے سے فراہم ہوتے ہیں۔ ایوبی دور اقتدار میں یہ مواقع موجود تھے۔ اس دور میں بھی موجود ہیں۔ نیز اس امر کا انکشاف بھی نا موزوں نہ ہوگا کہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر جمعیت العلمائے اسلام کی جانب سے اپنے ٹکٹ پر ایک نشست پر کھڑا کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب کو آمادہ اور راضی کرنے کی خاطر جمعیت کے اکابر نے ڈاکٹر صاحب کا تقریباً گھیراؤ سا کر رکھا تھا۔ نیز موجودہ حکومت کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کو جماعت اسلامی کے خلاف پبلی ویژن پر اظہار خیال کرنے کی بارہا دعوت و ترغیب دی گئی۔ لیکن انہوں نے صاف صاف اپنے اس مؤقف کے اظہار کے ساتھ اس پیشکش کو مسترد کر دیا کہ" ان کو جماعت اسلامی سے اختلاف ہے، دشمنی نہیں ہے"۔

اسی ضمن میں راقم الحروف جناب ماہر کی توجہ جماعت اسلامی کی رکنیت کے استعفی میں سے اس اقتباس کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہے، جو میثاق (ستمبر ۱۹۶۷ء) کے صفحہ ۵۴ کے آخر میں درج ہے۔ معلوم نہیں کہ تنقید و جرح لکھتے وقت جناب ماہر صاحب کی نگاہ اس پر پڑی یا نہیں!

> "ایک یہ خدشہ بھی میرے سامنے پیش کیا گیا کہ شاید جماعت کی صفوں میں "ترقی درجات" نہ ملنے کے باعث تیرے نفس نے ایک چوٹ کھائی ہوئی خودی کی مانند یہ سارا زہر اگلا ہے!! میں نے اس پر بھی غور کیا تو مجھے اپنے بارے میں اس کا بھی کوئی امکان نظر نہیں آیا اس لئے کہ جماعت کی صفوں میں جلد ترقی کرنی ہوتی تو مجھے اس کا موقع ملا تھا جبکہ وقت کے امیر جماعت (جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب) نے مجھے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد یہ مشورہ دیا تھا کہ میں لاہور رہا ہی رہوں اور اپنی ساری امنگیں سیاست کے میدان میں پوری کر لوں! لیکن میں نے اس مشورہ کو رد کر کے منٹگمری میں سکونت اختیار کی۔ پھر سیدھی سی بات یہ ہے کہ جماعت میں "ترقی درجات" ہاں ملانے اور مکھی پر مکھی مارنے سے ملتی ہے نہ کہ الٹی تنقیدیں کرنے سے!"

الزام ۳: "جماعت اسلامی کی دشمنی میں انہیں اسلامی جمعیت طلبہ سے بھی انتہائی کد ہو گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ جمعیت طلبہ کا شیرازہ منتشر ہو جائے اور اس کی جگہ طلبہ کی ایسی تنظیم قائم ہو جائے

۱۔ یہ ۱۹۴۷ء کے اواخر کا واقعہ ہے جب ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دی تھی جبکہ ڈاکٹر صاحب کی نوجوانی کی امنگوں کا دور تھا اور ان کی عمر بمشکل ۲۲ سال کے لگ بھگ تھی (ج۔ ر)

جو جماعت اسلامی کی پرچھائیں سے بھی دُور رہے! اسلامی جمعیت طلبہ کے ایسے ارکان کی ڈاکٹر صاحب حوصلہ افزائی فرماتے رہے ہیں جو انتشارِ فکر یا اخلاقی ضعف کی وجہ سے جمعیت طلبہ سے ترکِ تعلق کر چکے یا کرنا چاہتے تھے یا جمعیت سے بددل ہو چکے تھے۔" (صفحہ ۱۷)

ڈاکٹر صاحب نے فروری ۱۹۵۵ء میں جماعت کی رکنیت کا حلف اٹھایا اور اپریل ۱۹۵۷ء میں وہ جماعت سے مستعفی ہوئے۔ ماہر صاحب نے اسلامی جمعیت طلبہ کے خلاف اقدامات کے متعلق ڈاکٹر صاحب پر جو الزامات لگاتے ہیں وہ اقدامات اگر جماعت اسلامی کا رکن رہتے ہوئے کئے گئے تھے تو اس کی تردید کے لئے اتنا کہنا کفایت کرے گا کہ ایسا شخص جماعت اسلامی سے بیک بینی و دوگوش خارج کر دیا جاتا! اگر یہ مساعی اور اقدامات جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد کئے گئے ہیں تو ان کے واقعاتی ثبوت پیش کرنا ماہر صاحب کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے اور کچھ نہیں تو وہ ڈاکٹر صاحب کی کوئی ایسی تحریر ہی بطور حوالہ پیش فرمائیں جو میثاق یا کسی کتابچے یا کسی دوسرے جریدہ و رسالہ اور اخبار میں شائع ہوئی ہو —— نہ معلوم یہ الزام لگاتے وقت جناب ماہر صاحب کا "آخرت کے خوف کا احساس ذمہ داری" کس گوشے میں سو رہا تھا کہ جس کے اظہار کے آغاز سے انہوں نے الزامات کی فہرست مرتب فرمائی تھی —— امر واقعہ کے اظہار کے طور پر عرض ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ کی جانب سے جو دعوتی لٹریچر شائع ہوتا رہتا ہے اس میں اکثر تعداد ان تقاریر و تحاریر کی شامل ہے جو ڈاکٹر صاحب نے جمعیت سے وابستگی کے دور میں کی اور لکھی تھیں ان پر ڈاکٹر صاحب کا نام تک نہیں دیا جاتا جس پر انہوں نے کبھی اشارہ نہیں کیا بلکہ نام دیئے بغیر کارکنان جمعیت کو ان کی اشاعت کی بخوشی اجازت دے دی —— اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستگی کے دور سے متعلق جناب ڈاکٹر صاحب کے یہ تاثرات تحریری طور پر میثاق کی ستمبر ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"اپنی زندگی کا وہ دور (سیاقِ کلام میں اسلامی جمعیت طلبا سے وابستگی کا ذکر ہے لہذا یہاں جمعیت سے وابستگی کا دور مراد ہے (ج ر)) مجھے انتہائی عزیز ہے اور اس کی یاد کو میں اب بھی اپنی ایک قیمتی متاع سمجھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ آج دین کی جس خدمت کی توفیق مجھے بارگاہ خداوندی سے ملی ہوئی ہے اس کی اساس اور بنیاد اسی دور میں قائم ہوئی تھی" صفحہ ۱۲-۱۳

"الغرض جمعیت طلبہ سے تعلق کا زمانہ میری زندگی کا اہم ترین دور ہے جس میں خود دین و مذہب کے ساتھ بھی میرا صحیح و فکری تعلق قائم ہوا اور تحریک تجدید و احیائے دین کے ساتھ بھی میرے حقیقی اور شعوری تعلق کا آغاز ہوا" صفحہ ۱۵

الزام ۸: ایک بار ان کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا تو اتنی لمبی تقریر جس میں لہجہ کی کرختگی بھی شامل تھی سننے والوں کو کھلنے لگی، لوگ جماہیاں لینے لگے۔ یہ روایت بھی ہم تک پہنچی کہ کسی (غالباً اپنے بھائی) کے عقدِ نکاح میں بھی تقریر کر ڈالی[۱] جس کی طوالت سے لوگ اکتا گئے[۲]۔ اس

۱-۲ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

طرح "خدام القرآن" کے جلسوں میں ڈاکٹر صاحب کے لمبی تقریریں کرنے کا شوق پورا ہو رہا ہے" (صفحہ ۲۱)

جناب ماہر القادری صاحب کا تمام حلقہ تعارف ان کی اس فطری کمزوری سے واقف ہے کہ وہ عموماً ہر مجلس ہی میں اونگھتے اور سوتے اور جمائیاں لیتے نظر آتے ہیں۔ راقم الحروف نے تو ان کو کرسی صدارت پر بھی اونگھتے اور سوتے دیکھا ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب کی کسی تقریر میں ماہر صاحب کو اونگھ اور جمائی سے واسطہ پڑا تو یہ تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کو "لوگوں" پر چسپاں کرنے کی ان کے پاس کیا دلیل اور قرینہ ہے؟ ماہر صاحب تو ماہر صاحب ہی رہیں گے "لوگ" جس کا "فوج" کی طرح آدمیوں کے انبوہ کثیر پر اطلاق ہوتا ہے، نہیں کہلائے جا سکتے۔

رہا لمبی تقریر کا معاملہ! تو راقم الحروف کو بڑے مشہور علماء و خطباء امت اور اکابر جماعت اسلامی کی ڈیڑھ ڈیڑھ اور دو دو گھنٹے بلکہ اس سے بھی طویل تقاریر سننے کی سعادت مل چکی ہے خود ماہر صاحب کو بھی ملی ہوگی —— جب آدمی اعتراض برائے اعتراض کے موڈ میں ہو تو ایسے ہی شگوفے چھوڑتا ہے۔

جناب ماہر صاحب کی یہ عبارت ان کی اس رائے اور خیال کی بھی نشاندہی کر رہی ہے کہ ان کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا درس و تدریس اور تعلیم و تفہیم قرآن نیز اسلامی موضوعات پر خطبات و خطابات کا یہ سارا کام لمبی تقریریں کرنے کے "شوق" کی آسودگی کے لئے ہو رہا ہے ان کا داعیہ (MOTIVE) بس یہی "شوق پورا کرنا" ہے۔ یہی "شوق" ان کو محفل نکاح تک میں تقریر کرنے پر اکساتا ہے —— ماہر صاحب کی اس منطق کے دائرے کو وسیع کیجئے تو نہ معلوم اس کی زد میں امت کے کتنے علماء، خطباء اور داعیانِ حق آجائیں گے۔ سیرت مطہرہ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ابلاغ و تبلیغ کا احساس ذمہ داری تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میلوں میں، ضیافتوں میں اور مختلف النوع کے اجتماعات میں لے کر گیا ہے۔

بس یہ صرف سوچ کا پھیر ہے کہ آپ ابلاغ و تبلیغ حق کی مساعی اور جذبہ کو احساس ذمہ داری سمجھ لیں یا "اپنے شوق" پورا کرنے سے تعبیر فرمائیں۔

ماہر صاحب کے الزامات کی فہرست اور راقم الحروف کی جانب سے ان کا تعاقب اور ان کا تجزیہ تو تمام ہوا۔ لیکن اسی مضمون کے سلسلہ میں چند مزید گزارشات پیش خدمت ہیں۔

ا (حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) بھائی کے عقد نکاح ہی میں نہیں اکثر نکاح کی مجالس میں ڈاکٹر صاحب سے خطاب کی درخواست کی گئی ہے اور راقم الحروف کے ایک بچے کی نکاح کی مجلس میں بھی ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا تھا جو عموماً پسند کیا گیا (ج ر)

۲ معلوم نہیں کہ جس محفل میں ماہر صاحب بذات خود موجود نہ تھے اس محفل کے لوگوں کی اکتاہٹ سے واقف ہونے کا ان کے پاس کیا ذریعہ ہے (ج ر)

ماہر صاحب کے زیر بحث مضمون کا جو بھی مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ شاید ہی کوئی ایسا پیراگراف ہو جس میں اس الزام کا اعادہ نہ کیا گیا ہو کہ ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی کے خلاف عداوت، عناد، دشمنی، کدورت میں مبتلا ہیں اور وہ دین و دنیا کے بہت سے معاملات کو جماعت کی مخالفت کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ بھی بار بار ملے گا کہ ڈاکٹر صاحب کا سارا کام جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے رد، کد اور ضد میں اور ان کو زک پہنچانے کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ ذکر بھی مختلف انداز میں متعدد مقامات پر نظر آئے گا کہ درس قرآن اور خطابات کا کام خدمتِ دین کے جذبہ سے نہیں بلکہ شہرت طلبی، بڑا بننے کی خواہش اور اظہار و نمود کی جلوہ گری کے لئے ہے —— دراصل یہ جرمنی کے ڈاکٹر گوئبلز کی تکنیک ہے کہ جو بات، قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، لوگوں کے ذہن و شعور میں راسخ کرنا اور جمانا مطلوب ہو تو اس کو بار بار دہراؤ تاکہ لوگ خواہی نہ خواہی اس کا اثر قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

ماہر صاحب اپنے اسی مضمون میں کہیں ڈاکٹر صاحب کو "نفس کی شرارت" اور "خبث باطن" میں مبتلا قرار دیتے ہیں کہیں ان کا شمار "آبرو باختہ" لوگوں میں کرتے ہیں[1] نفس اور باطن اور نیت کی کنہ تک پہنچنا اور قلب میں جھانکنا ماہر القادری صاحب جیسے عارفوں ہی کا کام ہے۔ لہٰذا اس کشفِ باطنی پر تنقید و جرح لاحاصل ہی ہو گی۔

جناب ماہر القادری صاحب نے اپنے اس مضمون میں مطلع اور مقطع کے طور پر ارکانِ جماعت کے اوصاف و محاسن گنائے ہیں اور جماعت اسلامی کے دعوتی لٹریچر سے جس میں راقم الحروف کے نزدیک مولانا مودودی، مولانا اصلاحی اور جماعت کے دوسرے تمام اہل قلم کی قلمی کاوشیں شامل ہیں، لاکھوں بندگانِ خدا کے نظریات اور زندگی میں جو تبدیلی آئی اس کا بڑے شد و مد سے ذکر فرمایا ہے۔ یہ تمام ذکر بے موقع اور بے محل ہے چونکہ ڈاکٹر اسرار احمد نے نہ ان کے موجودہ فکری منتسبین و متفقین میں سے کسی پر اس پہلو سے کوئی اعتراض یا تنقید کی ہے۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب تو عموماً اپنے دروس اور خطابات میں اس کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح ارکان جماعت اسلامی کا اپنے کام کے سلسلہ میں قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے کا مختلف انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔ جس شخص کو بھی کوئی انقلابی نظریہ —— اس سے قطع نظر کہ وہ نظریہ حق ہے یا باطل —— عزیز ہوتا ہے اور وہ اسے اختیار کرتا ہے نیز وہ اس نظریہ کے مطابق انقلاب لانے کی کسی پارٹی کے ساتھ مل کر جدوجہد کرتا ہے تو اس کو قید و بند کی صعوبتوں سے واسطہ پڑنا لازمی ہے لیکن اس کو حق ہونے کی کسوٹی اور معیار اور شرف سمجھ بیٹھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ محض "جذباتی" بات ہے۔ انگریزی سامراج سے رستگاری کی جد و جہد میں جمعیت العلماء ہند، مجلس احرار اسلام، کانگریس اور نہ معلوم کتنی تنظیموں کے

---

[1] ملاحظہ فرمائیے فاران ستمبر صفحہ ۲۰

اکابر سے لے کر اصاغر تک اور اعوان و انصار سے لے کر متاثرین و ہمدرداں تک نے دار و رسن کی جو سختیاں جھیلی ہیں، قید و بند کی جو صعوبتیں اٹھائی ہیں، اموال و املاک کی ضبطیوں سے جو تکلیفیں برداشت کی ہیں اپنے روشن کیریئر کی جو قربانیاں دی ہیں جماعت کے گرفتاران بلا اور کشتگانِ ابتلا و آزمائش کو تو ان شدائد و مصائب کے عشر عشیر سے بھی واسطہ اور سابقہ نہیں پڑا۔ مزید برآں سچے کمیونسٹ اپنے نظریہ کی ترویج و قیام کے لئے ایثار و قربانی کا جو مظاہرہ کرتے رہے ہیں، جماعت کے ارکان اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچے۔ اس قسم کی جذباتی باتیں جناب ماہر القادری صاحب جیسے اہل قلم کو زیب نہیں دیتیں۔ ان کو دلیل سے گفتگو کرنا ہی زیب دیتا ہے۔

اسی مضمون میں فاضل تنقید نگار نے جماعت اسلامی کے شعبہ خدمت خلق کی کارگزاریوں کا بھی بڑے زور دار انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ تذکرہ بھی راقم الحروف کے نزدیک بے موقع اور بے محل ہے۔ یہ بھی کسی طور پر بھی معیارِ حق اور دلیل نہیں بن سکتا۔ محض جذباتی اپیل ہے۔ اس میدان میں بھی اسی پاکستان میں بہت سی سماجی تنظیموں کی کارگزاریاں جماعت کے مقابلہ میں کہیں بلند ہیں۔ ان تنظیموں میں اکثر وہ تنظیمیں بھی شامل ہیں جو برادریوں کی سطح پر قائم ہیں۔ مزید برآں اسی ضمن میں غیر مسلموں کی تنظیمیں (عیسائی، ہندو، پارسی) جماعت اسلامی سے آگے ہی نظر آئیں گی ـــــ جماعت اسلامی اگر خدمت خلق کا یہ سارا کام رضائے الٰہی کے لئے کر رہی ہے تو اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ہاں محفوظ ملے گا۔ اس کے اشتہار کی ضرورت نہیں۔ اگر عوام الناس کی خوشنودی اور الیکشن میں ان کے ووٹ کے حصول کے لئے کر رہی ہے تو اس کے وبال سے بھی اُسے دوچار ہونا پڑے گا۔ چونکہ رضائے الٰہی کے نام سے کئے جانے والے کاموں کی نیت و ارادہ میں اگر کسی بھی دنیوی منفعت اور مادی اجر کے حصول کی کوئی ادنیٰ سی بھی تمنا، خواہش اور غرض شامل ہے تو یہ سارے کام آخرت میں مستوجب سزا ہوں گے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس حدیث میں واضح فرمایا ہے جو ان تین اقسام کے دیندار افراد کے آخرت کے انجام سے متعلق ہے جو اپنے کارناموں کی بدولت دنیا میں عالم، شہید اور فیاض گردانے جاتے تھے لیکن جن کی نیتوں اور ارادوں میں دنیوی اغراض (مثلاً ریا، نمود و شہرت) کا جذبہ موجود تھا۔

ظواہر و شواہد اور قرائن سے استخراج، استنباط اور استدلال کرنا اور علت سے معلول متعین کرنا اگر دینی و علمی لحاظ سے ایک معتبر ذریعہ ہے اور یقیناً ہے تو راقم الحروف یہ عرض کرے گا کہ جماعت اسلامی کے شعبہ خدمت خلق کی تمام تر کارگزاریوں میں دنیوی منفعت و اجر کے حصول کا جذبہ غالب نظر آتا ہے۔ یہ بات محض وسوسہ اندازی کے لئے عرض نہیں کی گئی بلکہ اس کے لئے راقم کے پاس ظواہر و شواہد سے مضبوط استدلال موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر جماعت اسلامی پاکستان

(بالخصوص کراچی کی جماعت) کی جانب سے لاکھوں کی تعداد میں ایسے ہینڈ بل شائع کرکے تقسیم کئے گئے اور ایسے پوسٹر شائع کرکے چسپاں کرائے گئے نیز ہزارہا روپے فی اشاعت کی گراں اور بھاری اجرت پہ متعدد بار روزنامہ اخبارات میں بڑے بڑے ایسے اشتہارات دیئے گئے جن میں شعبہ خدمت خلق کی کارگزاریوں کے اعداد و شمار اور تفاصیل دے کر جماعت اسلامی کے امیدواروں کو ووٹ دینے کی پر زور اور موثر اپیلیں کی گئی تھیں۔ دنیوی منفعت اور اجر کی طلب آخر کس چیز کا نام ہے؟ کس نبی نے اپنی خدمات کا واسطہ دے کر اقتدار کے لئے لوگوں سے ووٹ مانگے تھے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں ووٹ دینے کا طریقہ ہی رائج نہیں تھا۔ چلیئے اعتراض تسلیم! اب یہ بتایئے کہ کیا کوئی نبیؑ بھی اپنی سعی اصلاح اور دعوت خیر و صلاح اور خدمات کے لئے کسی بھی اجر کا طالب ہوا ہے؟ قرآن حکیم میں تو ہر نبیؑ کی دعوت کے ساتھ اس قسم کا قول نقل ہوا ہے کہ یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ؕ چلیئے انبیاء کرامؑ کا ذکر جانے دیجئے۔ صلحا اور مصلحین امت ہی کے گروہ سے کوئی نظیر پیش فرما دیجئے (جو ہر دور میں موجود رہے ہیں) کہ جنہوں نے خدمت خلق کی نوعیت کے کام کئے ہوں اور پھر ان خدمات کو حصول اقتدار یا انقلاب قیادت کے لئے اپیل کا ذریعہ اور واسطہ بنایا ہو —— یہ ہے وہ حقیقی مقام و محل کہ جہاں جناب ماہر کا یہ ارشاد بالکل موزوں (FIT) ہوتا ہے کہ:

"انبیا اور صلحا کی یہ بہر حال یہ روش نہیں رہی"

راقم الحروف کے اس مضمون کے مطالعہ کے بعد قارئین کے ذہنوں میں اس نوع کے سوالات کا ابھرنا قرین قیاس ہے کہ:

۱ ● جماعت اسلامی کی دعوت اصلاً کیا ہے؟ اور اس کے متعلق اختلاف رائے رکھنے والوں کا حقیقی نقطہ نظر کیا ہے؟

۲- ● جماعت اسلامی کس طریق کار کی مدعی بن کر اٹھی تھی اور اس نے اس طریق کار سے کس نوع کا انحراف کیا ہے؟

۳- ● جماعت اسلامی کے موجودہ موقف اور طریق کار میں دینی نقطہ نظر سے خرابیاں کیا ہیں؟ اور اس میں کیا مضر ہے؟

۴- ● جماعت اسلامی کے موجودہ موقف سے نظریاتی اختلافات کیا کیا ہیں اور ان کے لئے کیا دلائل و شواہد ہیں؟

۵- ● جماعت اسلامی پہ نقد و جرح اور تنقید و تبصرہ کیوں ضروری ہے؟ اس سے تعرض کئے بغیر ہی کام کیوں نہیں کیا جاتا؟

۶- ● ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا حقیقی مطمح نظر اور نصب العین کیا ہے؟

یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات اور اُلجھنیں پیدا ہونی فطری اور قدرتی ہیں۔ خاص طور پہ اس مرحلہ پہ جب کہ تجدید و احیائے دین کی اجتماعی جد و جہد کے لئے ایک ہیئت اجتماعیہ اور تنظیم کی تشکیل پیش نظر ہے۔ ان سوالات کے جوابات دینا اور اُلجھنوں کو دُور کرنا جماعت سے نظریاتی اختلافات رکھنے والوں اور ٹھیک اسی نہج پر احقاق حق، ابطال باطل، اظہار دین اور اقامت دین کا داعیہ لے کر ایک نئی اجتماعی ہیئت و تنظیم کی تشکیل کے لئے اٹھنے والوں کی بدرجہ اُتم ذمّہ داری ہے۔ لیکن یہ تمام امور تفصیلی جوابات کے محتاج ہیں۔ سرسری طور پر اظہار خیال اور صرف اشارات سے کام لینا مفید مطلب نہیں ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان مسائل پہ سیر حاصل گفتگو ہو۔ راقم الحروف کوشش کرے گا کہ اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو اپنی ناقص و محدود استعداد کے مطابق اس سلسلہ میں مستقل مضمون لکھے۔ سردست اتنا عرض کرنے پر اکتفا ہے کہ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مؤخر الذکر دو سوالات کے جوابات کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی — ایک تحقیقی مطالعہ" اور میثاق کا ستمبر ۱۹۷۴ء نیز اکتوبر و نومبر ۱۹۷۴ء کے مشترکہ شماروں کا مطالعہ فرمائیں[له]۔ جو حضرات ان کا مطالعہ کر چکے ہیں وہ ان چیزوں پہ نگاہ بازگشت ڈال لیں۔ ان کو نہ صرف ان دو سوالوں کا جواب مل جائے گا بلکہ بڑی حد تک ان کے سامنے ما قبل سوالات کے جواب میں بھی مفید اشارات آ جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز!

آخر میں راقم دست بدعا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔ آمین یارب العالمین۔

له ڈاکٹر صاحب موصوف کی مطبوعہ جملہ تالیفات کا مطالعہ بھی ان کا موقف سمجھنے کے لئے انشاء اللہ مفید مطلب ہوگا۔ نیز اسی ضمن میں مولانا اصلاحی کی تصنیف "دعوتِ دین اور اس کا طریق کار" کا مطالعہ بھی انتہائی مفید ہوگا۔ اس کتاب کو جماعت اسلامی کے دعوتی لٹریچر میں نمایاں مقام حاصل رہا۔ (ج ر)

ہفت روزہ 'المنبر' لائل پور
کا مطالعہ آپ کے صحیح فکر کو جلا بخشے گا اور قلب و ذہن میں انوار قرآن و سنت کی شمع جلائے گا۔
——— رابطہ کے لئے: ———
ہفت روزہ 'المنبر' جناح کالونی، لائل پور

'دعوت رجوع الی القرآن' کے ضمن میں اہم دستاویز

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد

یہ رسالہ، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن کے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عمہٗ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے۔ انداز بیان نہایت دل نشین، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی مؤثر اور دردمندانہ ہے۔ جو مسلمان قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے اس رسالے میں بہتر رہنمائی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں ——— مولانا امین احسن اصلاحی

سائز ۱۸ × ۲۲/۸، صفحات ۸۰، طباعت آفسٹ، سفید کاغذ اور خوشنما کور

ہدیہ : صرف ایک روپیہ

——: منگوانے کا پتہ :——

مکتبہ انجمن خدام القرآن ۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور

——: فون : ۶۸۲۴۵ :——

پروفیسر محمد حسین بٹ
لائلپور

لاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ
کے معنی و فضائل

اس کلمۂ مبارکہ کے معنی: قرآن مجید کی کسی آیت مبارکہ کی تفسیر یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے معنی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا۔ مندرجہ ذیل حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمۂ مبارکہ کے معنی بیان فرما دیئے ہیں اور اس سے بہتر معنی بیان نہیں کئے جا سکتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا (اتفاقاً) میں نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ (اس کے معنی یہ ہیں کہ) اللہ کی حفاظت کے بغیر کوئی شخص گناہ اور معصیت سے نہیں بچ سکتا اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی شخص اس کی عبادت نہیں کر سکتا (یا کوئی نیکی نہیں کر سکتا) [بزاز ، (عن ابن مسعودؓ) حصن حصین]

لہٰذا اس کلمۂ مبارکہ میں حَوْل سے مراد ہے گناہ سے بچ سکنا اور قُوَّۃ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکنا یا کوئی نیکی کر سکنا۔ سو اس کلمۂ مبارکہ کے معنی یہ ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ہی ہم گناہوں سے بچ سکتے ہیں اور اُس کی مدد سے ہی ہم اُس کی عبادت اور اعمالِ صالحہ کر سکتے ہیں بالفاظ دیگر اگر توفیق ایزدی شامل حال ہو تو بندہ گناہوں سے بچ سکتا ہے اور اعمالِ صالحہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: چونکہ مذکورہ بالا حدیث کی رُو سے اس کلمۂ مبارکہ کے معنی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دیئے اس لئے اس کے معنی کا حصر ہو گیا یعنی اس کے معنی محدود ہو گئے۔ نیز چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرماتے ہوئے معنی بہترین معنی ہوتے ہیں اس لئے علمائے کرام کو اس کلمۂ مبارکہ کے اور معانی تلاش کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

فضائل: (۱) حضرت مکحول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کثرت سے پڑھا کرو اس لئے کہ یہ جنت کا ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحول کہتے ہیں کہ جو شخص لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللہِ اِلَّا اِلَیْہِ

(مطلب: اللہ کی حفاظت کے بغیر کوئی شخص گناہ سے نہیں بچ سکتا اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی شخص کوئی نیکی نہیں کر سکتا اور اللہ کے سوا کوئی نجات کی جگہ نہیں مگر اس کی طرف) ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ضرر (نقصان) کی ستر قسمیں دُور کر دیتا ہے اور افلاس ان قسموں میں سے ایک معمولی قسم ہے (ترمذی) مشکوٰۃ مترجم اُردو جلد اوّل صفحہ ۵۴۹ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز۔

حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَۃ میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ "اس کو خزانہ کہنے میں یہ راز ہے کہ اس سے انسان میں ایک عظیم القدر معرفت کی استعداد پیدا ہوتی ہے"

نیز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے" (صحاح ستہ، احمد، بزار، طبرانی (عن ابی موسیٰ الاشعریؓ) حصن حصین۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا نہ بتاؤں تم کو ایک کلمہ جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور جنت کے خزانے سے ہے؟ (اور وہ یہ ہے) لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (جس وقت بندہ اس کلمہ کو کہتا ہے) اللہ تعالیٰ (اس کے جواب میں) فرماتا ہے کہ میرا بندہ اطاعت گزار ہوا (یا میرے بندے نے نجات پائی) اور فرمانبردار ہوا (یا اس نے تمام کام خدا کو سپرد کر دیئے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ جب بندہ کہتا ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ فرمانبردار ہوا میرا بندہ اور بہت فرمانبردار ہوا (رزین۔ مشکوٰۃ جلد اوّل)

۳۔ نیز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ کلمہ مبارکہ (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے [احمد، طبرانی، نسائی (عن معاذ بن جبلؓ) حصن حصین]

۴۔ نیز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ کلمہ جنت کا ایک درخت ہے۔ [ابن حبان۔ احمد۔ طبرانی (عن ابی ایوب الانصاریؓ) حصن حصین]

۵۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ ننانوے (۹۹) بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے معمولی بیماری غم ہے [بیہقی۔ مشکوٰۃ جلد اوّل۔ حاکم۔ طبرانی (عن ابوہریرہؓ) حصن حصین]

غم کے متعلق مرزا غالب کے دیوان میں کئی اشعار ہیں جو انسانی غم کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں لیکن کسی اور شاعر نے یہ دو شعر کہے ہیں جو اس موقع کے مطابق ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا غم ہم کو دیا جو سب سے مشکل نظر آیا

(۶) سیرت ابن اسحٰق میں مذکور ہے کہ حضرت عوف اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سالم رضی اللہ عنہ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے کہلوا دو کہ بکثرت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھتا رہے۔ ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے اُن کی قید کھل گئی اور یہ وہاں سے بھاگ آئے اُن لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہوئے۔ راستے میں اُن کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں بھی اپنے ساتھ ہنکا لائے۔ وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ باپ نے آواز سن کر فرمایا: خدا کی قسم یہ تو سالم کی آواز ہے۔ ماں نے کہا۔ ہائے! وہ کہاں! وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہو گا۔ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے۔ دروازہ کھولا تو دیکھا ان کے بیٹے حضرت سالم رضی اللہ عنہ ہیں اور تمام صحن اونٹوں سے بھرا پڑا ہے۔ پوچھا یہ اونٹ کیسے ہیں؟ اُس نے واقعہ بیان کیا تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اچھا ٹھہرو۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو سو کرو۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں " وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ ... (پارہ ۲۸۔ سورۃ طلاق، آیت ۲ و ۳) ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُس کے لئے (غم دنیا و آخرت سے) نکلنے کی کوئی صورت بنا دیتا ہے ۵ اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان تک نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہے ...

یعنی "اللہ سے ڈرنے والوں کی مشکل خدا آسان کرتا ہے اور بے گمان روزی پہنچاتا ہے" (دیکھئے تفسیر ابن کثیر اُردو، جلد پنجم۔ پارہ ۲۸ صفحہ ۸۶)

نتائج: (۱) گناہوں سے بچنا اور اعمال صالحہ کا کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتے لہٰذا ہمیں اسی کی ذاتِ اقدس پر پورا پورا بھروسہ کرنا چاہیئے (۲) یہ کلمۂ مبارکہ انسان کے مختلف نقصانات اور امراض کا علاج ہے۔ ان میں سے گھٹیا قسم غم ہے (۳) اس کلمۂ مبارکہ کا ورد کرنے والا اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے جو بہترین کارساز ہے۔ (۴) اس کلمۂ مبارکہ کے ورد سے ایک عظیم القدر معرفت کی استعداد پیدا ہوتی ہے جو اس کے پڑھنے والے کو دنیوی اور اُخروی مصائب سے نجات دلاتی ہے اور جنت تک پہنچاتی ہے (۵) لہٰذا قارئین کرام اس کلمۂ مبارکہ کو بکثرت پڑھا کریں۔ تاکہ دینی اور دنیوی مشکلات اور پریشانیوں سے نجات اور فلاحِ دارین حاصل ہو۔

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی

تفسیر تدبرِ قرآن

جلد اوّل

مشتمل بر مقدّمہ و تفاسیر: آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران —— سائز ۲۲ × ۲۹/۸ صفحات ۸۸۰، عمدہ دبیز سفید کاغذ، آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت، مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ۔ ہدیہ : ۴۰/- روپے

جلد دوم

مشتمل بر تفاسیر: سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام و سورۂ اعراف

سائز، کاغذ، طباعت اور جلد حسب سابق

صفحات ۸۰۸ : ہدیہ ۳۲ روپے

دار المطالعہ قرآن اکیڈمی 5408 ماڈل ٹاؤن لاہور

جلد سوم

مشتمل بر تفاسیر : سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل۔ سائز، کاغذ، طباعت اور جلد حسب سابق، صفحات [illegible]

ہدیہ : ۴۰/- روپے، محصول ڈاک فی جلد : ۳/- روپے

نوٹ : صرف مقدمہ تدبر قرآن و تفاسیر آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ علیحدہ بھی مطبوعہ موجود ہیں۔ ہدیہ : ۲/- روپے

شائع کردہ

مکتبہ : مرکزی انجمن خدّام القرآن ۱۲- افغانی روڈ سمن آباد لاہور

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام

از قلم : اسرار احمد

★ فکر مغرب کا ہمہ گیر استیلاء ★ بنیادی نقط ★ عالم اسلام پر مغرب کی سیاسی و فکری یورش ★ مدافعت کی اولین کوششیں اور ان کا ماحصل ★ علوم عمرانی کا ارتقاء ★ اسلامی نظام حیات کا تصور اور بیسویں صدی عیسوی کی اسلامی تحریکیں ★ تعبیر کی کوتاہی ★ احیائے اسلام کی شرط لازم : تجدید ایمان ★ کرنے کا اصل کام ★ عملی اقدامات۔

"………Many offlcial and unofficial, political and non-political agencies have recently been trying to issue call and manifestoes for starting a renaissance movement in the thought of Islam, The most recent and by far the most interesting is a pamphlet by Dr. Israr Ahmad,………………This Pamphlet "ISLAM-KI-NISH'AT-E-SANIA," is a very important document, and need to be studied by all Muslims, because it makes the attempt, rare in these days, to come to grips with the fundamental issue of our situation as Muslims in the modern world…………"

'CULTURAL NOTES' by 'ZENO'
The Pakistan Times, Lahore,
Friday, June 14, 1968.

سائز ۸/۱۸ × ۲۲ صفحات ۵٦ طباعت آفسٹ قیمت ایک روپیہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

Monthly "MEESAAQ" Regd. No. L.7603 Lahore

Vol. 21 | DECEMBER 1974 | No. 12

ہم سے طلب فرماویں

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار

اس کتاب میں انبیائے کرام کا طریقہ تبلیغ میں نے تفصیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔ اس زمانے میں جس طرح دین کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں ادھورا اور ناقص ہے ، اسی طرح دین کی تبلیغ کا مفہوم بھی بہت ہی محدود اور غلط ہے۔ میں نے اس کتاب میں دین کو بحثیت ایک نظام زندگی کے (جیسا کہ وہ فی الواقع ہے) سامنے رکھا ہے ۔ اسی حیثیت سے اس جد و جہد کے تمام تقاضوں اور اس کے تمام مراحل کی تفصیل کی ہے جو اس نظام کو برپا کرنے کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہے میں نے اس کتاب کی ہر فصل کی بنیاد قرآن مجید کے محکم دلائل پر رکھی ہے ۔ پھر جہاں کہیں ضرورت محسوس کی ہے صحیح احادیث سے اس کی وضاحت کی ہے ۔ مجھے امید ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے وہ اس کو فہم قرآن میں بھی معین پائیں گے ۔

(مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز ۱۸ × ۲۲/۸ صفحات ۲۳۲ طباعت آفسٹ خوشنما کور

قیمت پانچ روپے (ایک روپیہ محصولڈاک اس کے علاوہ)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

پبلشر : محی الدین ، طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ ۔ لاہور

مقام اشاعت : ۱۲۔ افغانی روڈ ، سمن آباد ، لاہور (فون : ۶۸۲۴۵)